سلسلہ مطبوعات ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نمبر (۵)

من سمجھاون

از

شاہ تراب چشتی

مرتبہ

ڈاکٹر سیّدہ جعفر

مطبوعہ

انتخاب پریس — جواہر لال نہرو روڈ — حیدر آباد (اے - پی)

ملنے کا پتہ

ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
خیریت آباد - حیدر آباد - ۴

بار اول پانچ سو (۵۰۰)

دسمبر سنہ ۱۹٦٤ع

جدِ شفیق مہدی نواز جنگ
کے نام

ترتیب

★

مندرجات

پیش لفظ

ڈاکٹر مسعود حسین خان صاحب پروفیسر وصدر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ

پیش لفظ

(ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ)

**

از منہ وسطیٰ کے سیاسی زیر و بم کے پس منظر میں روحانی سطح پر جو سمجھوتا دو تہذیبوں میں ہوا تھا، شاہ تراب کی "من سمجھاون" اسی کا ایک اہم ادبی نقش ہے جو "دور دکن" (تنجور) میں ایک سیلانی صوفی کے قلم نے تحریر کیا تھا۔ روحانی سطح کے اظہار و ابلاغ کے اس زمانے میں ایک سے زائد لسانی وسیلے رہے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں کبھی یہ برج بھاشا کا روپ دھار لیتی ہے تو کبھی اودھی کا۔ پنجابی، متھلی اور راجستھانی بولیاں سب نے اُس نئی "ہند لسانی" آتما کے اظہار میں مدد دی جو کبھی سگن بھگتی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور کبھی نرگن بھگتی کی کبھی یہ گیان مارگ کی رہرو بن جاتی ہے اور کبھی یہ پریم مارگ کی رہبر۔ یہ تلسی کی آتما ہے اور سورداس کی آتما ہے، کبیر کی بھی ہے نانک کی بھی اور پریم مارگی ملک محمد جائسی کی بھی۔ اسی فضاء میں صوفیوں نے اسلام کی نئی تفہیمات کا آغاز کیا اور اس نئی تفسیر کے نکات و مکاشفات بیان کرنے کے لئے ایک نئی زبان اور اسالیب بیان کی تلاش و ضرورت کو محسوس کیا۔ ان انسانیت کے علمبرداروں کو اس بات کی فکر

ہوئی کہ وہ اسلامی تصورات و عقائد کو ہندو اور ہندوی مصطلحات میں اس طرح پیش کریں کہ وہ طبقہ بھی جو عربی فارسی اصطلاحات سے نا آشنا تھا اسلام کی روح تک پہنچ سکے۔ «من سمجھاون» کے مصنف شاہ تراب انہی صوفیاء کے سلسلے کی ایک آخری کڑی ہیں۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں اُنھوں نے مرہٹی کے نامور سنت شاعر رام داس کی تصنیف سے متاثر ہوکر یہ اخلاقی نظم تصنیف کی جو «اصطلاح ہندی مسلمانی ملا» کا ایک نادر نمونہ ہے۔

اٹھارویں صدی کے وسط کا دکن نئے سیاسی انقلابات اور نو وارد نبرد آزماؤں کی کشمکش کا جولان گاہ بنا ہوا تھا۔ سنہ ۱۷۲٤ع میں سلطنت آصفیہ جنم لے چکی تھی گو اس کا مرکز ہنوز اورنگ آباد میں ہی تھا۔ تنجور کے علاقے پر ایک مرہٹہ خاندان قابض تھا جس کا چوتھا حکمران بر سر تخت تھا جب شاہ تراب وہاں پہنچتے ہیں۔ انگریز اور فرانسیسی آپس میں دست و گریباں تھے۔ سلطنت گولکنڈہ اور بالخصوص بیجاپور کی تباہی کے بعد "دکنی" خاندان جوق در جوق میسور اور تامل ناڈ کا رخ کر رہے تھے اور اس طرح دکنی اُردو کی تامل کے علاقے میں توسیع ہو رہی تھی۔ ان علاقوں میں صوفی اپنے نئے مرکز اور تکیے قائم کر رہے تھے۔ دکنیوں اور دکنی اُردو کی ان علاقوں میں کم و بیش وہی حیثیت و حالت تھی جو حضرت امیر خسرو کی "زبان دہلوی" کی تین سو برس قبل دکن میں ہوئی تھی۔ عالم گیر کی فتح دکن کے بعد جب شمال کے لسانی اثرات ایک نئی رو میں آنے لگے تو

اورنگ آباد اور حیدرآباد کا ادبی محاورہ بدلنے لگا لیکن قطب شاہی اور عادل شاہی دکنی اُردو «دور دکن» کے ان علاقوں میں اپنے اصل رنگ میں قائم رہی۔ ازمنہ وسطیٰ کی ہندلمانی تہذیب کا سنگم یہاں اور گہرا ہوگیا اس طرح کہ «رام اور رحیم» کا فرق مٹ کر شاہ تراب کے یہاں صرف «رام» رہ گیا۔

صفت کر اول اوس کی جو رام ہے گا
اوسی رام سوں ہم کوں آرام ہے گا
سدا رام کے نام سوں کام ہے گا
ہمن دھیان اوس کا صبح و شام ہے گا

مذہبی فکر کی سطح پر «رام اور رحیم» کو اس طرح مدغم کرنے کی جرأت شاید ہی کسی دوسرے صوفی نے کی ہو۔ «رام اور رحیم» کبیر کی اصطلاح میں ایک ہی ذات کے دو نام ہیں لیکن صوفیانہ واردات میں دونوں کے فرق کو مٹا کر صرف «رام» کے نام سے یاد کرنا متصوفانہ تصورات کی دنیا میں محض ایک قدم آگے کا معاملہ نہیں بلکہ ایک زبردست جست و جسارت ہے!

شاہ تراب کے فکری و لسانی رشتے دبستان بیجاپور کے صوفی شعراء برہان الدین جانم اور شمس العشاق سے جاملتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک طرح سے شاہ علی جیو گام دھنی گجراتی کے فرزند معنوی ہیں اس لئے کہ ہندو اور ہندوی مصطلحات کا یہ اسلوب سب سے پہلے اُنہوں نے بڑے پیمانے پر اپنی تصنیف «جواہر اسرار اللہ» میں برتا ہے، ہر چند ان کی زبان پر برج بھاشا کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔

یہ اردو زبان کی بدقسمتی ہے کہ ہمارے محققین نے اس سلسلہ کے ادب پاروں کی ترتیب و تدوین کی جانب توجہ کم دی ہے۔ اس کی کچھ وجہ شاید یہ بھی ہے کہ ان کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور مرتب کرنے کے لئے نہ صرف دکنی اُردو کے محاورے بلکہ سنسکرت اور پراکرت سے کم از کم کام چلاؤ، واقفیت کا ہونا ضروری ہے، جسکا ہمارے محققین میں فقدان رہا ہے۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر کی اس بار آور کوشش پر میں اُنہیں مبارک باد دیتا ہوں اور ایک رفیق شعبہ کی حیثیت سے فخر محسوس کرتا ہوں کہ اُنہوں نے جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اُردو میں، مرحومین پروفیسر وحیدالدین سلیم، مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی قایم کردہ روایات تحقیق کا پوری طرح بھرم رکھا ہے۔ ڈاکٹر سیدہ اس سے قبل اپنے شگفتہ ادبی اسلوب اور متوازن نقطۂ نظر کی بدولت دنیائے ادب میں مقام پیدا کرچکی ہیں۔ زیر نظر تالیف میں اُنہوں نے جس محنت اور دقت نظر کے ساتھ چھ قلمی نسخوں کا مطالعہ اور مقابلہ کرکے اس کا متن تیار کیا ہے اس سے اُن کی تحقیقی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ جس تلاش و جستجو اور جامعیت کے ساتھ اُنہوں نے شاہ تراب کی سیرت و سوانح کے نقوش کو اُبھارا ہے اور «من سمجھاون» کے ماخذوں کا پتہ چلاتے ہوئے مرہٹی کے سنت کوی رام داس کی تصنیف «مناچے شکوک» سے اس کا مقابلہ کیا ہے اس سے بھی ان کے تحقیقی سگھڑ پن کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

میں شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کی جانب سے اہل نظر کی خدمت میں ایک ادبی تحفہ اور علمی چیلنج پیش کرتا ہوں۔

مسعود حسین خان (صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ)
دسمبر سنہ ۱۹۶٤ع

دیباچہ

زور صاحب مرحوم کی فرمائش پر یہ کتاب میں نے سنہ ۱۹۶۱ع ہی میں مکمل کرلی تھی لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر اس کتاب کی اشاعت عمل میں نہ آسکی تھی۔

شاہ تراب دکن میں چشتیہ سلسلے کے وہ آخری شاعر تھے جنہوں نے شعری تخلیقات کا ایک گران قدر سرمایہ اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ شاہ تراب نے "من سمجھاون" مہاراشٹرا کے عظیم فلسفی اور مشہور شاعر سمرتھ رام داس کی مقبول تصنیف "شری مناچے شلوک" سے متاثر ہوکر لکھی تھی۔ دکنی ادب میں اس قسم کے شعری کارناموں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ شاہ تراب بڑے پُرگو شاعر گزرے ہیں۔ اُن کے شعری کارنامے خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ شاہ تراب کے حالات زندگی اور ادبی کارناموں پر تحقیقی کام کرنے اور اُنہیں منظرعام پر لانے کی ضرورت تھی۔

میں پروفیسر مہندر راج سکسینہ صاحب، سکریٹری ابولکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ممنون ہوں جن کی توجہ اور دلچسپی کے باعث یہ کتاب طبع ہوسکی ہے۔ آپ نے اپنے مفید مشوروں سے اشاعت کی مختلف منزلوں میں میری رہنمائی

فرمائی ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب صدر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ کا میں خاص طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اس کتاب کا پیش لفظ تحریر فرمایا۔ میں پروفیسر کلکرنی صاحب، صدر شعبۂ مراہٹی جامعہ عثمانیہ اور خاص طور مسز تھتے صاحبہ لکچرار مراہٹی نظام کالج کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے مراہٹی ادب سے متعلق مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل صاحب ریڈر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ اور جناب احمد خاں صاحب درویش کی بھی میں ممنون ہوں جنہوں نی اس کتاب سے دلچسپی کا اظہار کیا اور میری رہنمائی فرمائی۔

سیدہ جعفر

دسمبر سنہ ۱۹۶۴ع
حیدرآباد۔ اے۔پی

جنوبی ہند اُجالوں کا دیس ہے - یہاں کی فضاؤں میں صدیوں صوفیوں کا سرمدی نغمہ گُھلتا رہا اور ہدایت کی شمعیں جگمگاتی رہیں - اولیاء اور اصفیاء نے اِسی سر زمین پر اخوت کے ابدی نقش چھوڑے ، صداقت کے امر گیت گائے اور « عشق » کا پرچار کیا - ان بزرگوں نے تبلیغ و اشاعت کی لگن میں دور دراز مقامات کا سفر کیا اور جس پستی اور بلندی سے گذرے وہاں پھول کھلائے اور موتی بکھیر دئیے - اسی طرح کے ایک جہاں گشت صوفی شاہ تراب بھی تھے جنھوں نے مدراس ، تنجور اور کرناٹک کے بہت سے مقامات کی جادہ پیمائی کی اور رشد و ہدایت کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کردی -

نام | شاہ تراب کا اصلی نام تراب علی تھا - صوفی اور باخدا شخص ہونے کے اعتبار سے وہ شاہ تراب کے نام سے موسوم تھے - شاہ تراب کی تصانیف پر کہیں تراب علی شاہ اور کہیں صرف شاہ تراب لکھا ہوا ملتا ہے - مثال کے طور پر شاہ تراب کی مثنوی « ظہور کلی » کی ابتداء میں لکھا ہوا ہے :-

« ایں کتاب ظہور کلی است تصنیف حضرت تراب علی شاہ قدس اللہ سرہ[1] » - « گنج اسرار » کے دو نسخے حیدرآباد میں موجود ہیں جن میں سے ایک اسٹیٹ لائبریری اور دوسرا سالار جنگ لائبریری میں دستیاب ہوتا ہے - ایک ہی کتاب کے ان دو نسخوں میں شاہ تراب کا نام مختلف طریقوں سے لکھا ہوا ملتا ہے اول الذکر میں شاہ تراب اور موخر الذکر میں تراب علی شاہ تحریر کیا گیا ہے -

---

۱ - ظہور کلی - سالار جنگ لائبریری - تصوف ۱۵۶ -

سی طرح « گلزار وحدت » کا جو نسخہ اسٹیٹ لائبریری میں موجود ہے اس پر « تراب دکھنی » تحریر کیا ہوا ملتا ہے اور اسی مثنوی کا جو دوسرا نسخہ علی گڈھ میں انجمن ترقی اُردو کی لائبریری میں موجود ہے اُس پر شاعر کا نام شاہ تراب لکھا گیا ہے - شاہ تراب کی « من سمجھاون » کے مختلف نسخوں پر بھی اُن کا نام مختلف طریقوں سے تحریر کیا ہوا ملتا ہے - اسٹیٹ لائبریری میں « من سمجھاون » کا ایک ایسا نسخہ موجود ہے جس پر شاہ تراب ، تراب شاہ اور میاں تراب تینوں طریقوں سے شاعر کا نام لکھا گیا ہے - ادارۂ ادبیات اُردو میں « من سمجھاون » کا جو نسخہ موجود ہے اُس پر شاہ تراب لکھا ہوا ہے اور جامع مسجد بمبئی کے نسخے میں صرف « تراب » تحریر کیا ہوا ملتا ہے -

شاہ تراب کے نام کے بارے میں جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے کی وضاحتی فہرست کے مرتب کو غلط فہمی ہوئی ہے - اُنھوں نے اُن کا نام « برہمن حسینی » بتایا ہے -[1]

اِسی نام کے بعض دوسرے بزرگ بھی گزرے ہیں جن میں پربھنی کے سید تراب الحق[2] ، شاہ تراب علی قلندر کاکوروی[3] ، شاہ ابو تراب یا ابو تراب[4] ، اور شاہ تراب[5] ، متوفی سنہ ۱۳۰۰ھ قابل ذکر ہیں -

---

۱ - آئندہ صفحات میں اس کی تفصیل پیش کی جائے گی -

۲ - سید تراب الحق کا عرس پربھنی میں ۲۶ - شعبان کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے -

۳ - تراب علی قلندر کاکوروی « شرائط الوسائط » اور « مطالب رشیدی » کے مصنف ہیں -

۴ - ابوتراب کا ذکر « تذکرہ ریاض اعظم » میں موجود ہے - ملاحظہ ہو تذکرہ قلمی ۲۴۲ از سید محمد علی موسوی - اسٹیٹ لائبریری - حیدرآباد -

۵ - شاہ تراب متوفی سنہ ۱۳۰۰ھ درگاہ یوسفین حیدرآباد میں مدفون ہیں - وہ شاعر تھے - اُن کی مشہور غزل جس کا مطلع « بتایا پیر جھکو یہ نے میں پیر کے قربان » ہے اب بھی حیدرآباد کی بعض قوالیوں میں سنائی جاتی ہے -

تخلص | شاہ تراب، تراب تخلص کرتے تھے ۔ کہیں کہیں ترابی اور بوترابی بھی ملتا ہے ۔ « گنج الاسرار » کی اہمیت بتاتے ہوئے اس کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں :—

عجب ہے گنج الاسرار ترابی   کہ ہر ایک بیت ہے اُو انتخابی

یا ایک اور موقعے پر کہتے ہیں : —

ترابی بول اُو تمثیل نادر
کہ ہوے سر مخفی جس سوں ظاہر

« گلزار وحدت » میں تصوف کے بعض اسرار و رموز کی وضاحت کرتے ہوے لکھتے ہیں :—

تو بس حق و حقیقت کا بیاں بول
تو اب اے بوترابی سب عیاں بول

اسی طرح ایک اور جگہ شاہ تراب اس طرح اپنا تخلص لاتے ہیں :—

جو ہے بو طالبی او بو ترابی
ہوا شیرازہ بند ختم کتابی

لقب ۔ گنج الاسرار | شاہ تراب تصوف، فلسفہ اور علم رمل کے ماہر تھے اُنھوں نے اپنی غیب دانی کے بعض واقعات « ظہور کلی » میں بھی بیان کئے ہیں ۔ شاہ تراب کے اس علم و فضل سے متاثر ہوکر اُن کے مرشد

پیر پاشاہ حسینی نے انہیں « گنج اسرار » کا لقب بخشا تھا ۔ « ظہور کلی » میں اس واقعے کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں :—

روز جمعہ ماہ رجب وقت شام   دی خلافت گنج الاسرار بخشے نام
بھی تخلص اور ملقب ہے تراب   گنج الاسرار شاہ فرمائے خطاب

حضرت پیر پاشاہ حسینی اپنے مرید کو گنج الاسرار ہی کے « لقب » سے پکارا کرتے تھے جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے ۔

کہے سن اے تراب گنج الاسرار   رمل جو کچھ کہ سیکھا تونے اک بار
رسالہ اک بنا اس علم کا توں   کہ توں ہے معدن اسرار بیچوں

شاہ تراب کی کتاب « گنج اسرار » کے اختتام پر جو عبارت لکھی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے لقب سے بھی مشہور تھے چنانچہ اس مخطوطے کے کاتب سید حسن علی نے « گنج اسرار » کے آخر میں لکھا ہے :—

« مرتب شد کتاب گنج الاسرار از تصنیف تراب گنج الاسرار »[1]

شاہ تراب کے شاگرد اور مرید، شاہ معین تجلی بھی اپنی تالیف « ترجمہ دکھنی شرح جام جہان نما الموسوم بہ فتح المعین و کلام المبین » میں اُنہیں « گنج اسرار شاہ تراب چشتی » ہی لکھتے ہیں ۔[2]

---

۱ ۔ گنج الاسرار ۔ مخطوطہ نمبر ۲۲۲۷ ۔ جدید ۔ اسٹیٹ لائبریری ۔ حیدرآباد

۲ ۔ ملاحظہ ہو ۔ ادعیہ قلمی ۔ ۱۷۳ ۔ صفحہ ۱ ۔ اسٹیٹ لائبریری ۔ حیدرآباد ۔

وطن | اُردو یا فارسی کے کسی تذکرے سے شاہ تراب کے حالات اور اُن کے وطن کا پتہ نہیں چلتا ۔ کسی ادبی تاریخ یہاں تک کہ «مدراس مین اُردو» میں بھی ایسے کثیرالتصانیف اور پرگو شاعر کا ذکر موجود نہیں ہے ۔ البتہ داخلی شہادتوں سے ہمیں شاہ تراب کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں ۔ شاہ تراب مدراس کے علاقے ترنامل کے رہنے والے تھے اور ترنامل میں اُن کا تکیہ بھی تھا ۔ ترنامل بلا پورم یا ولا پورم کڈ پڈی لائین پر ساوت انڈین ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے جو آگ کے لنگا کی پوجا کیلئے مشہور ہے ۔ یہ مقام «۱۲۰۱۵ طول بلد اور ۷۰۰۰۷ عرض بلد پر واقع ہے اور سطح سمندر سے تین ہزار فٹ بلند ہے ۔ ترنامل میں ایک اونچے پہاڑ کے قریب ایک مندر بنا ہوا ہے جس میں شیوا کی پوجا ہوتی ہے ۔ سمجھا جاتا ہے کہ یہیں پاروتی نے شیوا کو حاصل کیا تھا ۔ اس مندر میں ایک بہت بڑا گنبد ہے جس کی تعمیر وجے نگر کے راجا کرشنا دیوا رایا نے ۱۵۱۶ع میں آغاز کی تھی اور جس کی تکمیل تنجور کے راجا سی وپا نائک نے کی تھی ۔ کرشنا دیوا رایا نے اس مندر میں جو گیارہ منزلہ ہے ہزار ستونوں کا ایک منڈپ بھی تعمیر کروایا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ ارناجری نتھر نامی ایک مشہور سنت نے یہاں قیام کیا تھا ۔ اس مندر کے مشرقی حصے مین ارناجل یا اناجری[1] کا بھی مجسمہ تراش کر رکھا گیا ہے ۔[2] «گیان سروپ» میں شاہ تراب نے

---

۱ ۔ ترنامل کے دو بھگت بہت مشہور ہیں ایک تو ارناچل اور دوسرے سری رامنا جن کے متعلق اکنتا رامنا المعروف بہ سبرمیا نے ایک مستقل تصنیف سری رامنا « مرتب کی ہے کتاب نمبر ۱۸۱٤ ۔ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری ۔

۲ ۔ ملاحظہ ہو ساوت انڈین شرائنس ۔ جگدیش ایر ۔ صفحہ ۱۹۰ باب ۔ ٦ ۔ مطبوعہ ۔ وسٹ اینڈ کو مدراس ۔ ۱۹۲۲ع ۔

اپنے وطن ترنامل ، اس کے مشہور مندر اور سنت ارناجل کے مجسمے کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے

ائے یاران طرفہ سنو نقل
ہے ارکاٹک میں ترنامل
بن مشہور ہے جس کا دیول
ہور دیول کا دیو ارناجل
اس ارناجل کون مار کھنڈل
او بخش دیوے گا منجے عمل

اسی نظم میں ایک اور جگہ اپنے وطن کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ہے ترنامل میں میرا مقام ۔۔۔ ارناجل ہے کٹھن اصنام

«اے بک آف ساوت انڈیا» کے مصنف جے مارس مالونی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہر سال جاترا کے موقعے پر ہزاروں کی تعداد میں زائرین یہاں جمع ہوکر پوجا کرتے ہیں[1]

«گنج الاسرار» اور «ظہور کلی» کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترنامل میں شہر سے کچھ فاصلے پر اُن کا تکیہ تھا جہان اُن کے فرزند غلام مرتضی جس کو وہ فریدالدین کہہ کر یاد کرتے ہیں،[2] تکیہ نشین تھے ۔ «گنج الاسرار» کی سولہویں حکایت میں ایک جگہ شاہ تراب لکھتے ہیں :۔

ہے تکیہ جو کہ ترنامل میں میرا ۔۔۔ وہاں یاراں کئے سب اپنا پھیرا

---

۱ ۔ ائے بک آف ساوت انڈیا ۔ جے مارس مالونی ۔ صفحہ ۱۹٦ ۔ مطبوعہ متھن اینڈ کو ۔ لندن ۱۹۲٦ء ۔

۲ ۔ اس کی تفصیل آگے ائے گی ۔

اسی طرح « ظہور کلی » میں « حکایت ترنامل و خرابی فوجدار عالم آزار » کی سرخی کے تحت بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ترنامل پر حملہ ہونے کی وجہ سے اُنہیں یہ مقام چھوڑ کر پریشانی اٹھانی پڑی تھی :—

ہن میرا تکیہ شہر کے بہار تھا
واں فریدالدین تکیہ دار تھا
.... روز سوم چڑھ کے ترنامل کوں آئے
دور سوں آکر او اپنا داب بھائے
کیا کہوں اپنی خرابی کی خبر
سر بصحرا ہو پھرے جھاڑی بھیتر

پیدائش | شاہ تراب کی صحیح تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہوسکا۔ اُن کی ایک تصنیف « گیان سروپ » کی کتابت سنہ ۱۱۲۱ھ میں ہوئی ہے[1]۔ اس میں ایک جگہ شاہ تراب لکھتے ہیں کہ میں نے « گیان سروپ » میں حیات کے رموز و عوامض کی بڑی اچھی طرح وضاحت کی ہے حالانکہ میں ایک کم عمر بھولا بھالا لڑکا ہوں :—

جیوں کنکر چاول ڈھولا ہوں　　ہور بھید ابھید سب کھولا ہوں
پھر بالک بالا بھولا ہوں　　گن پُستک جیو کے تولا ہوں

« گیان سروپ » کا سنہ کتابت ۱۱۲۱ھ ہے اس لئے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نظم سنہ ۱۱۲۱ھ یا اس سے چند سال قبل کی تصنیف ہے۔ اگر سنہ ۱۱۲۱ھ میں بھی شاہ تراب نے « گیان سروپ » لکھی تھی اور اس میں وہ خود کو « بالک » کہتے ہیں تو ہم قیاس کرسکتے ہیں کہ وہ سنہ ۱۱۰۴ھ تا سنہ ۱۱۰۵ھ میں پیدا ہوے ہونگے۔ ان مندرجہ بالا اشعار کے مطالعے

۱۔ ملاحظہ ہو۔ مخطوطہ نمبر ۷۷۳۔ ادارہ ادبیات اُردو۔

سے ہم اس نتیجے پر بھی پہنچ سکتے ہیں کہ شاہ تراب نے عنفوان شباب ہی سے شعر گوئی شروع کر دی تھی۔

خاندان | شاہ تراب ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اُن کے آبا و اجداد بھی صوفی اور « عشق پیشہ » تھے جیسا کہ وہ « ظہور کلی میں ایک جگہ لکھتے ہیں :—

جد و آبا صوفیاء میرے ہیں سب　　تھی محبت پاک اُو از فضل رب

شاہ تراب نے اپنے والد کا نام عبداللطیف خان بتایا ہے اور اپنے بچوں کو اپنے دادا کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کرتے ہوے اُن کے متعلق لکھتے ہیں :—

پدر میرا مشہور جوں آفتاب　　او عبداللطیف خان عالی جناب
امیر کرم بخش ابن کریم　　سخی و جوان مرد روشن ضمیر

ان اشعار سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ عبداللطیف نے اپنے زمانے میں کافی شہرت پائی تھی اور بڑا نام پیدا کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ بڑے سخی، نیک اور روشن ضمیر انسان تھے غالباً عبداللطیف نے بحیثیت ایک صوفی اور خدا پرست دیندار کے بھی یہ شہرت اور نیک نامی حاصل کی تھی۔ شاہ تراب کے اس قول کی روشنی میں کہ ان کا تمام خاندان صوفی تھا۔ یہ خیال غلط نہیں معلوم ہوتا۔ غالباً شاہ تراب مغل تھے کیونکہ ایک جگہ اُنہوں نے اپنے بھائی کے نام کے ساتھ مرزا کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

شاہ تراب کی مثنوی « آئینہ کثرت » کے مطالعہ سے اُن کے خاندان کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ اُن کے والد عبداللطیف سبزواری تھے اور یہ کہ وہ اپنے عقائد کے اعتبار سے نصیری تھے[1] ۔ شاہ تراب « آئینہ کثرت » میں اپنے والد کے بارے میں لکھتے ہیں :—

نصیری دیکھو سبزواری تھے اُو
بہ درد حسین اشک جاری تھے اُو
نہ مذہب نہ ملت سے رکھتا تھا کام
تھا مشغول در یاد حق صبح و شام[2]

ان اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ تراب کا آبائی وطن سبزوار تھا ۔ دوسرے یہ کہ اُن کے والد عبداللطیف کو اہل بیت اطہار سے بے حد محبت تھی اور غم حسین میں اُن کی آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہتی تھیں ۔ عبداللطیف مذہبی معاملات میں بہت کشادہ قلب اور وسیع النظر واقع ہوئے تھے اور صوفیوں کی طرح « مذہب و ملت » کی قیود سے آزاد تھے ۔ وہ ہر وقت اعمال نیک اور « یاد حق » میں مشغول رہا کرتے تھے ۔

« آئینہ کثرت » میں شاہ تراب نے لکھا ہے کہ عبداللطیف کا انتقال سنہ ۱۱۱۴ھ میں ہوا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللطیف نے عیش و آرام ترک کرکے فقیری اختیار کرلی تھی ۔ اُن کے نام کے ساتھ شاہ تراب نے جو « خان عالی جناب » لکھا ہے اس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ وہ ایک عزت و اقتدار رکھنے والے شخص تھے ۔ خان غالباً اُن کا خطاب تھا اور وہ پٹھان نہیں تھے ۔ عبداللطیف شہر کے نیک نام امراء میں سے ایک تھے اور وہ بڑی قدر و عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے ۔

---

۱ ۔ نصیری حضرت علی کو خدا سمجھتے ہیں ۔

۲ ۔ « آئینہ کثرت » ۔ تصوف ۔ نمبر ۹۷ ۔ صفحہ ۱۲ ۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۔

شاہ تراب نے « ظہور کلی » میں اپنے چھوٹے بھائی کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اُن کے اصلی نام کا علم نہیں ہوسکا لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ فال میں ان کا نام مرزا محمد نکلا تھا اور وہ اس نام سے بھی پکارے جاتے تھے ۔ شاہ تراب کا یہ بھائی بڑا خوبصورت ، سرو قد اور جری تھا ۔ اس نے عین عالم جوانی میں قضاء کی تھی ۔ شاہ تراب کو اپنے اس بھائی سے بہت محبت تھی ۔ شاہ تراب یہ تمام باتیں اپنے بیٹے سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :—

تھا برادر خورد میرے پیار کا
ہو گیا ہے وفات اُس یار کا
فال کا مرزا محمد نام اتھا
مثل رستم صاحب صمصام اتھا
خوبصورت سرو قد تھا نوجوان
سو اُسے لے گی قضاء آسمان
سب جہاں تاریک میرے پر ہوا
جب برادر نوجوان مرا موا
اُو تیرے دادا کا روشن نور تھا
مجھکو بھی پیارا بہت مغفور تھا

شاہ تراب کے بھائی مدراس کے علاقے ایلور میں سکونت پذیر تھے اور ایلور ہی سے شاہ تراب کے پاس اُن کے انتقال کی خبر خط کے ذریعہ سے پہنچی تھی ۔ شاہ تراب لکھتے ہیں :—

اک پیک آیا جو خط ایلور سوں
قاصد ماتم زدہ لے دور سوں
خط نہ تھا اُو تیر آہ غم اتھا
لفظ ہر اس کا سیاہ غم اتھا

اولاد

شاہ تراب "ظہور کلی" میں اپنے فرزند غلام مرتضیٰ کا ذکر کیا ہے اور یہ مثنوی اُنہوں نے اپنے بیٹے ہی کو مخاطب کرکے لکھی ہے چنانچہ "ظہور کلی" کی تیسری سرخی "در مذاکرہ سبب نظم کتاب کہ برائے برخوردار غلام مرتضیٰ تصنیف نمودہ" ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ تراب نے یہ کتاب اپنے فرزند کی رہبری اور رہنمائی کے لئے لکھی تھی۔ شاہ تراب کے بیٹے کا اصلی نام غلام مرتضیٰ تھا لیکن اپنی کتابوں میں اُنہوں نے غلام مرتضیٰ کو فریدالدین کے نام سے یاد کیا ہے اور اس کا سبب بتاتے ہوئے شاہ تراب کہتے ہیں کہ میرا بیٹا اس لئے بھی فریدالدین کہلانے کا مستحق ہے کہ وہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے ایک دُر یکتا ہے دوسری بات وہ یہ کہتے ہیں کہ میں غلام مرتضیٰ کو اس لئے فریدالدین کہتا ہوں کہ وہ فریدالدین گنج شکر کی طرح سچا صوفی اور عارف باللہ ثابت ہو اور اس کا دل فریدالدین گنج شکر کی طرح محبت الٰہی سے معمور ہوجائے چنانچہ "ظہور کلی" میں اس کے متعلق شاہ تراب کہتے ہیں:—

ہے غلام مرتضیٰ معروف نام
مین فریدالدین کہا ہوں در کلام
جو فریدالدین شکر گنج کے سبب
اُو پسر پیدا کرے رب کا طلب
ہور دُر یکتا کوں کہتے ہیں فرید
ہے دُر یکتا اُو فرزند رشید

شاہ تراب کہتے ہیں کہ جس طرح مولانا روم کو حسام الدین سے خلوص تھا۔ اسی طرح مجھے اپنے فریدالدین سے محبت ہے اور میں

نے اپنے بیٹے کا نام حسام الدین کی مناسبت سے فریدالدین رکھا ہے۔ غلام مرتضیٰ کو فریدالدین کہنے میں غالباً یہ تصور بھی شامل ہوگا کہ جس طرح مولانا روم نے حسام الدین کی درخواست پر اپنی مشہور مثنوی لکھی تھی[1] اسی طرح میں بھی فریدالدین کی استدعا پر یہ مثنوی "ظہور کلی" لکھ رہا ہوں[2] چنانچہ وہ کہتے ہیں:—

مولوی کون جوں حسام الدین ہے — یوں مجھے فرزند فریدالدین ہے

آگے چل کر فریدالدین کو حسام الدین کا شیوہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوے کہتے ہیں:—

اے غلام مرتضیٰ جان تراب
ہے فریدالدین ترا عالی خطاب
معرفت میں بس کہ فرد خاص ہے
تب فریدالدین با اخلاص ہے
تجہ میں شیوہ ہو حسام الدین کا
میں لقب تیرا فریدالدین کہا

غلام مرتضیٰ شاعر بھی تھے۔ "خلافت نامہ" میں ان کا تخلص شریف بتایا گیا ہے۔ جب شاہ تراب کے چھوٹے بھائی کا انتقال ہوا تو وہ بڑے دل شکستہ اور غمگین ہوگئے۔ شاہ تراب لکھتے ہیں کہ اُس زمانے میں وہ بہت آزردہ خاطر رہنے لگے تھے۔ "ظہور کلی" میں ایک

۱۔ ملاحظہ ہو سوانح مولانا مولوی روم از شبلی نعمانی۔ صفحہ ۲۳۔ روز بازار الکٹرک پریس ہال بازار۔ امرت سر۔

۲۔ شاہ تراب نے ظہور کلی فریدالدین ہی کی فرمائش پر لکھی تھی اس کا ذکر آگے آئے گا۔

جگہ وہ اپنے بیٹے کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ تیرے چچا کی موت نے مجھے بڑا صدمہ پہنچایا ہے اب تو اپنی شاعری کا شغل ترک کرکے میری دلجوئی کر اور میرا غم دور کرنے کی کوشش کر :—

درد دل مج کوں تیرا عمو دیا
عشرت دل چھین کر سارا لیا
چھوڑ دے اب توں خیال شاعری
کر دل غمگین کوں میری دلبری

شاہ تراب نے "آئینہ کثرت" میں اپنی ایک لڑکی فخرالنساء کا بھی ذکر کیا ہے ۔

واقعات زندگی اور تعلیم شاہ تراب کی تعلیم و تربیت ایک صوفی گھرانے میں ہوئی تھی ۔ وہ علم رمل، تصوف، حکمت نجوم و ہئیت اور فلسفے کے ماہر تھے اور ان علوم سے اُنہیں فطری لگاؤ اور ایک خاص شغف تھا ۔ علم رمل پر شاہ تراب نے ایک مستقل کتاب "گنج الاسرار" تصنیف کی تھی اس علم پر شاہ تراب کے عبور کو دیکھ کر اُن کے مرشد پیر پا شاہ حسینی نے اُنہیں "گنج الاسرار" کے لقب سے سرفراز کیا تھا ۔ "گلزار وحدت"، "گنج الاسرار" اور "ظہور کلی" میں اکثر جگہ شاہ تراب نے علم رمل سے اپنی غیر معمولی وابستگی کا ذکر کیا ہے اُن کا خیال ہے کہ رمل تمام علوم میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے اور اس کی علوم متداولہ میں بڑی اہمیت ہے :—

اگر ہے علم تو علم رمل ہے   رمل کے علم کوں لازم عمل ہے
رمل پیغمبران کا یو عمل ہے   رمل سے بہتر بن پھر کیا عمل ہے

شاہ تراب نے پیر پا شاہ حسینی سے علم رمل سیکھا تھا اور اس کی طرف اُنہوں نے اکثر جگہ اشارے کئے ہیں ۔ "گنج الاسرار" میں شاہ تراب لکھتے ہیں کہ میرے استاد علم رمل میں کامل تھے اور انہوں نے ہی مجھے یہ "پیغمبروں کا علم" سکھایا ہے ۔

رمل میں تھے میرے استاد ممتاز   رکھے اعجاز پیغمبر کا سب راز

شاہ تراب نے لکھا ہے کہ پیر پا شاہ حسینی کے علاوہ اس علم کی تحصیل میں وہ شاہ دانیال سے بھی مستفید ہوئے تھے ۔ شاہ تراب نے "گنج الاسرار" میں اکثر جگہ شاہ دانیال سے فیضیاب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ شاہ دانیال چشتی کا انتقال بقول غلام سرور مصنف "خزینۃ الاصفیاء" سنہ ۹۹٤ھ میں ہوا تھا اور "گنج الاسرار" ۱۱۷۹ھ کی تصنیف ہے یعنی یہ کتاب شاہ دانیال کے ایک سو پچاسی (۱۸۵) سال بعد لکھی گئی تھی ۔ اس صورت میں شاہ تراب کے شاہ دانیال سے براہ راست فیض حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ یہاں یہ قیاس غلط نہیں کہ تراب نے شاہ دانیال کے رسائل سے ضرور استفادہ کیا تھا ۔ تراب شاہ دانیال کے علم رمل کو بہت سراہتے ہیں اور وہ اُنہیں اس علم کا ماہر سمجھتے ہیں شاہ تراب خود کو "منشی اسرار دانیال" کہتے ہیں :—

تراب منشی اسرار دانیال   حکایت نہی لکھنا ہے فی الحال
★
تراب رازدار دانیال ہوں   رمل کے علم میں صاحب خیال ہوں

---

۱ ۔ شاہ دانیال چشتی سید محمد جونپوری کے اُستاد و مرشد اور سید حامد شاہ کے مرید و خلیفہ تھے ۔ انہیں سید حامد شاہ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل تھا اور فیض باطنی میں وہ خواجہ بزرگ معین الدین چشتی سنجری کے رہین منت تھے ۔ ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیاء از غلام سرور ۔ مطبوعہ ثمر ہند لکھنو ۔ ز ۹ / ۱٦ فارسی ۔ جلد اول صفحہ ٤٤۳ ۔ اسٹیٹ لائبریری ۔ حیدرآباد ۔

«گنج الاسرار» کے آخر میں شاہ تراب لکھتے ہیں کہ میری یہ تصنیف شاہ دانیال ہی کے فیضان کا نتیجہ ہے :—

بفضل حضرت دانیال یا رب
شدہ این تازہ تصنیفم مرتب
چو شد اتمام این منظوم دل شاد
با امداد تفضل ہائے اُستاد

غیب دانی

شاہ تراب نے اپنی اکثر تصانیف میں اپنی غیب دانی کے بھی واقعات بیان کئے ہیں ۔ «گنج الاسرار» میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کس طرح ایک دفعہ فقراء کی جماعت اُن کے تکیے واقع ترنامل میں آکر مقیم ہوئی تھی اور کس طرح اُنھوں نے اس کے سرگروہ فضل علی اور دوسرے فقراء سے (بزور رمل) آئندہ کے واقعات بیان کئے تھے ۔ اسی طرح «ظہور کلی» میں شاہ تراب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص کا شملہ جس میں موتی اور لعل ٹکے ہوئے تھے کھو گیا تھا شاہ تراب نے اُس شخص کی پریشانی پر رحم کھا کر اُسے بتا دیا تھا کہ چور کس طرف مال لیکر گیا تھا اور اس طرح اس شخص کو اسکا شملہ مل گیا تھا ۔ اپنی اس غیب دانی کی طرف شاہ تراب نے اکثر جگہ اپنے اشعار میں اشارے بھی کئے ہیں :—

اے تراب واقف راز نہان
حال و قال سب کا ہے تیرے پر عیاں

★

ہوں تراب مظہر غیب الغیوب
دفتر اسرار ستار العیوب

★

تراب راز دار عالم غیب
آگے پھر بول حکمت پائے لاریب

شاہ تراب نے اپنے مرشد پیر پاشاہ حسینی سے منطق ، فلسفہ ، تصوف اور دوسرے علوم متداولہ کی تحصیل کی تھی ۔ اُنھوں نے اپنے علوم کا مبداء اپنے مرشد کو بتایا ہے اور کہتے ہیں :—

مجھے حاصل ہوا علم حسینی کیا تحصل سب رسمی و عیق

علم کی لگن

شاہ تراب کو علم حاصل کرنے کا اتنا شوق تھا کہ اُنھوں نے اپنے وطن ترنامل سے « ملک کرناٹک » کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر اپنے زمانے کے مشہور ولی اور عالم (جو چشتیہ سلسلے کی ایک کڑی تھے) کے آگے زانوے ادب تہ کیا ۔ شاہ تراب « گنج الاسرار » میں لکھتے ہیں کہ جب میرے مرشد پیر پاشاہ حسینی نے « ملک کرناٹک » میں قیام کیا اور وہیں « قدم رنجا » فرمایا تو میں علم کی لگن میں اپنا وطن چھوڑ کر راستے کی صعوبتوں کو سہتا ہوا اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے فلسفہ ، منطق ، تصوف ، نجوم و ہیئت اور رمل کے علوم سیکھے ۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ بزرگوں اور عالموں کی صحبت میں رہنے کی مجھے ابتداء ہی سے آرزو تھی :—

دکھن میں ملک کرناٹک کو روشن
کئے ہور وانچہ فرمائے اُو مسکن
بزرگاں کی مجے صحبت سوں تھا شوق
ہمیشہ اُن کی صحبت کا رہا ذوق
فصوص و منطق و علم رمل سب
تصوف کا دیگر بخشے علم سب
کیا مرشد نے سب ظاہر سوں ماہر
بھی علم باطنی بخشا ظواہر
حسینی مرشد ہر دو جہان یار
کیا ہے علم ظاہر سوں خبردار

شاہ تراب کہتے ہیں کہ میرے علم و فضل ہی کی وجہ سے لوگ میری قدر کرتے ہیں اور میں سب کا «منظور نظر» بنا ہوا ہوں اور یہ میرے مرشد ہی کی رہبری کا نتیجہ ہے

یہی صورت مرشد راہبر ہے　　تو سب کے پاس منظور نظر ہے

شاہ تراب کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علوم متداولہ کے ماہر تھے اور یہ کہ عربی اور فارسی زبانوں پر بھی اُنہیں عبور حاصل تھا۔ شاہ تراب نے اپنی تصانیف میں مولانا روم کے اشعار اور حضرت علی کے فرمودات اور اقوال بھی اپنے خیالات کی مزید وضاحت اور کلام کی تزئین کے لئے اکثر جگہ پیش کئے ہیں۔ اس کے علاوہ شاہ تراب مرہٹی اور سنسکرت سے بھی واقف تھے «گلزار وحدت» میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے بھگوت گیتا، پران راماتن، اور ویدوں کا مطالعہ کیا ہے[1]

خلافت | شاہ تراب چونکہ فلسفہ، رمل، حکمت اور تصوف میں اپنے مرشد سے بخوبی فیضاب ہوچکے تھے اور اُنکی علمیت اور روحانیت پر پیر پاشاہ حسینی کو کامل اعتماد پیدا ہوگیا تھا یعنی شاہ تراب کے الفاظ میں وہ اب «عارف باللہ» اور «من عرف دان» ہوچکے تھے، اس لئے سنہ ۱۱۵۰ھ میں پیر پاشاہ حسینی نے اُنہیں خرقہ خلافت عطا کیا۔ «ظہور کلی» کے انیسویں باب «در مذاکرہ مرشد و کیفیت خلافت کمترین» میں شاہ تراب اس واقعے کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جمعہ کے روز شام کے وقت مجھے حضرت پیرو مرشد نے یاد فرمایا۔ اُنہوں نے

۱۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

مجھے خلوت میں بلایا اور کہا کہ اے تراب تو میرا سچا مرید اور فرزند ہے۔ تیری عقلمندی اور علم و فضل کو دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ «معرفت میں کوئی تیرا ثانی» نہیں ہے اس لئے میں تجھکو اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔ مجھے تجھ سے بڑی محبت ہے اور تو میرا «خلیفۂ خاص الخاص» ہے میں تجھے اپنے تمام مریدوں سے افضل سمجھتا ہوں یہ کہہ کر پیر پاشاہ حسینی نے سر سے پشت تک ہاتھ پھیرا اور خلافت بخشی۔ اس واقعے کو شاہ تراب اس طرح بیان کرتے ہیں :-

حضرت پیر پاشاہ عالی جناب
ایک دن خلوت منے اُو آفتاب
اس غلام کمترین کے تئیں بلائے
سر سوں تا پشت اوید قدرت پھرائے
بھی کہے تو سچ میرا فرزند ہے
عاقل و ہوشیار و دانشمند ہے
تجہ کو کرتا ہوں خلیفہ اب میرا
معرفت میں کوئی نہیں ثانی تیرا
تون میرا خلفاء خاص الخاص ہے
مجکون تیرے سون بہت اخلاص ہے
جو اہین خلفاء ہمارے اولین
میں تجے سب سون کہا ہوں بہترین
جب کہا یہ بھید سب اُو اولیاء
ہو کے قربان جان سون سجدہ کیا

أو ولی عصر مرشد نا مدار
درس پنجدہ و یک صد یک ہزار
روز جمعہ ماہ رجب وقت شام
دی خلافت گنج الاسرار بخشے نام

اسی سال یعنی سنہ ۱۱۵۰ھ میں اُنہیں مرشد کے حسب ارشاد اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ پیر پاشاہ حسینی نے اُنہیں تبلیغ و اشاعت کی غرض سے کرناٹک جانے کا حکم دیا۔ شاہ تراب نے رخت سفر باندھ لیا اور کرناٹک روانہ ہوئے۔ شاہ تراب پیر پاشاہ حسینی کے حکم سفر اور اس موقعے پر اُن کی گفتگو کو یوں پیش کرتے ہیں —

جو تیری خدمت کرے گا استوار
أو رہے گا تا قیامت استوار
جا کے کرناٹک میں ہو تکیہ نشیں
محرم راز امیرالمومنیں
جس سے توں راضی خدا راضی اہے
توں نہیں راضی توں او ماضی اہے
ہو مرخص شہ سوں کرناٹک چلا
داغ ھجرت سوں ہوا دل مبتلا

اپنے مرشد سے جدا ہوتے ہوئے تراب کا دل بیقرار ہوگیا اوراُنھوں نے باشاہ حسینی کے قدموں پر گر کر کہا کہ اے مرے مرشد تو مجھے جدا نہ کر۔ مرشد نے دلاسہ دیا اور کہا کہ طالب و مطلوب اگر دور بھی ہوں و ایک دوسرے کے قریب رہتے ھیں اور اُن کے دل محبت کی ڈور میں

باہم بندھے ہوئے ہوتے ھیں۔ شاہ تراب نے حسب ذیل اشعار میں اس مکالمے کو اس طرح بیان کیا ہے :—

تب کیا سجدہ کہ اے عالی جناب
کیوں جدا کرتا ھے مجکوں از رکاب
میں تیری صورت کا عاشق پاک ہوں
نام ھجرت سن کے سینہ چاک ہوں
کیوں مجے کرتا ھے اپنے سوں جدا
روز و شب رہتا ہوں تج پو میں فدا
تج زلف قد پر بلا گردان ہوں
ھجر کا سن نام دل بریان ہوں
پھر اپے فرمائے کیا وسواس ھے
تو بظاہر دور دل سوں پاس ھے

فرانسیسیوں کا حملہ

شاہ تراب کے حالات زندگی پر «ظہور کلی» سے بھی کافی روشنی پڑتی ھے۔ «ظہور کلی» میں شاہ تراب نے ایک جگہ لکھا ھے کہ پلا پلم یا بلا پلی اور قلعہ چیٹ پیٹ پر حملہ ہونے کی وجہ سے اُنہیں بڑی پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے مقام رہائش ترنامل اور اس کے اطراف و اکناف کے چھوٹے چھوٹے مقامات پر فوجوں نے حملہ کردیا اور قلعہ چیٹ پیٹ کا محاصرہ کرکے یہاں کے فوجدار قدوی محمد خان کو گرفتار کرلیا۔ شاہ تراب کو ترنامل چھوڑ کر جنگل کی راہ لینی پڑی۔ اُن کی بیوی اور بچے

بھی اُن کے ہمراہ جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے اور بڑی مصیبتیں اُٹھائی تھیں ان واقعات کی طرف شاہ تراب نے یوں اشارہ کیا ھے :—

ہم منے جو حال خان یون ہے تباہ
چھوڑ او جا گائے جھاڑی کی راہ
کیا کہوں اپنی خرابی کی خبر
سر بصحراہ ہو پھرے جھاڑی بھیتر
بارے افتاں ہور خیزاں دور سون
جا کے پہنچے قریہ ایک اور کون
با عیال اطفال اس جھاڑی بھیتر
جا پڑے تھے ڈھونڈ اک ٹوٹا چھپر

اس جنگل میں ایک دن شام کے وقت کسی نے خبر پہنچائی کہ فوجدار کو گرفتار کرکے شہر سے باہر نکال دیا گیا ھے اور ترنامل میں پھر سے امن و امان قایم ہو گیا ھے ۔ اس خبر کو سن کر شاہ تراب پھر ترنامل اوٹ آئے :—

بارے القصہ خبر یو ہم جو پائے
پھر اُسی وقت سون اپنے گھر کون آئے

لیکن اب یہاں اُن کا دل نہیں لگتا تھا کیونکہ ہر طرف « دین عیسی » کا « کاروبار » نظر آتا تھا ۔ شاہ تراب نے سب سے ملنا جلنا ترک کردیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی ۔ اُنھوں نے تکیہ اور گھر کا انتظام اپنے

بیٹے غلام مرتضی کے سپرد کیا ۔ اِن واقعات کی طرف وہ یوں اشارہ کرتے ہیں :—

ملک سارا اُو فرنگستان ہوا
بلا بلی ملک کفرستان ہوا
جا مسلمانان فرنگی سون ملے
دین عیسی پر تو اکثر اُو چلے
بن مرا تکیہ شہر کے باہر تھا
وان فریدالدین تکیہ دار تھا
جا اپس تکیے منے گوشہ لیا
ترک عالم کا تو سب ملنا کیا
گنج عزلت کرکے بیٹھا اختیار
دین عیسی کا دسیا جب کاروبار
.... کر غلام مرتضی کو تکیہ دار
گوشہ تنہائی کیتا اختیار

شاہ تراب نے ترنامل پر فوج کشی کا جو حال بیان کیا ھے اس کا ذکر «اختصار انور نامہ » اور « تاریخ والا جاھی » میں بھی موجود ہے ۔ یہ ۱۱٦٤ھ مطابق ۱۷۵۱ع کا واقعہ ھے ۔ جب حسین دوست خان نے پھلجری کے مقام سے آگے بڑھنا شروع کیا اور ارکاٹ پر چڑھائی کردی تھی ۔ حسین دوست خان کے ساتھ اُن کے بعض اور حامی مثلاً یحی خان ، ذکریا خان اور فرانسی فوج کے دستے بھی تھے ۔ حسین دوست خان نے عالم علی خان کو ایک مصلح فوج کا دستہ دے کر اُنھیں حکم دیا کہ

وہ تھرنگر اور دوسرے مقامات پر قبضہ کرلیں چنانچہ عالم علی خان نے ترنامل، مدورا اور اسکے اطراف و اکناف کے علاقوں کو فتح کرلیا۔ « تذکرہ والا جاہی » میں لکھا ہے کہ حسین دوست خان کی یہ فوجی کارروائی جمادی الاول سنہ ۱۱٦٤ھ میں شروع ہوئی تھی اور جمادی الثانی سنہ ۱۱٦٤ھ میں وہ ارکاٹ پر قابض ہوگئے[1]۔ ان کے ساتھ ٦۰ ہزار سپاہی اور سوار موجود تھے اسکے علاوہ دو ہزار فرنگی اور دس ہزار حبشی بھی تھے۔ یہ فوج اپنے ساتھ ایک سو فرانسی توپیں لیکر حملہ آور ہوئی تھی۔ فرانسی دستے کا سردار ایم۔ لاس (M. Las) تھا۔ یہ تمام فوجیں چیٹ پیٹ، تمری اور پلار سے ہوتی ہوئی ترنامل پہنچ کر ٹھر گئیں[2] اب اسی واقعے کو شاہ تراب کی زبانی سنئے۔

اک بہ اک آیا فرنگی بد خصال
چیٹ پیٹ کے تئیں لگایا مور چال
کاردی اور کافری تھے چٹے کار
کوئی کمندان کوئی امیر صوبیدار
قلعہ چیٹ پیٹ کے تئیں ترغہ کئے
مار توپوں کا تو روز و شب دھرے
کوئی مسلمان نین کمک ہرگز کئے
آخرش قلعہ فرنگی اولیے

ایلور اور چیٹ پیٹ کے قلعوں کا ذکر کرتے ہوے « اختصار انور نامہ » کے مصنف لکھتے ہیں کہ کاوری پاک، تمری اور چیٹ پیٹ کے قلعہ جنگ

۱۔ برہانی تذکرہ والاجاہی۔ حصہ دوم۔ ترجمہ محمد حسین خان نیر۔ صفحہ ٦۹
۲۔ اختصار انور نامہ قلمی۔ مخطوطہ نمبر ۲۵۰۱۔ صفحہ ۲۷۸۔

کیلئے زیادہ موزوں نہیں تھے چنانچہ حسین دوست خاں نے اُنہیں بہت کم عرصے میں فتح کرلیا۔

« کاوری پاک و تمری و چیٹ پیٹ وغیرہ مواس ندارند و حربی نیند۔ اگر توپ کلان و مردم جنگی چالاک باشند زود خالی می شود چنانچہ حصارہاے مذکور در یک روز حسین دوست خان و فرانسیسی نمودند۔ قلعداران برآمدند قلعہ حوالہ مردم گاردی و حسین دوست خاں و فرانسیسی نمودند »[1]

« توزک والاجاہی » جلد دوم صفحہ ۲۱۰ پر مورخ نے عنوان قائم کیا ہے « لشکر کشیدن بر قلعہ چیٹ پیٹ و تسخیر نمودند آن را » اور یہی تفصیلات بیان کی ہیں ان تاریخوں کے علاوہ « ہسٹری آف دی فرنچ ان انڈیا »[2] میں بھی اس حملے کا ذکر موجود ہے۔ « سوت انڈین شرائنس » کے مصنف پی وی جگد یش ایر نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے[3]۔

سفر | « ظہور کلی » کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۵۰ھ میں جب پیر پاشاہ حسینی نے اُنہیں اپنا خلیفہ بنایا اور کرناٹک میں تبلیغ و اشاعت کی غرض سے بھیجا تو شاہ تراب ترنامل سے کرناٹک چلے آئے۔ لیکن شاہ تراب کا سفر یہیں ختم نہیں ہوا۔ کرناٹک کے مختلف علاقوں میں گھومتے ہوئے آخر کار وہ تنجور پہنچے مختصر یہ کہ

۱۔ اختصار انور نامہ۔ قلمی۔ مخطوطہ نمبر ۲۵۰۱۔ اسٹیٹ لائبریری۔ حیدرآباد۔
۲۔ ہسٹری آف دی فرنچ ان انڈیا۔ از کرنل جی۔ بی۔ میال سن۔ صفحہ ۲۷۰۔ وملن اینڈ کو لندن ــ ۱۸۹۳۔
۳۔ سوت انڈین شرائنس۔ صفحہ ۱۹۳۔ مطبوعہ ویسٹ اینڈ کو ۱۹۲۲ء۔

شاہ تراب کی زندگی کا ایک قابل لحاظ حصہ جادہ پیمائی میں گذرا ، اُنہوں نے کئی مقامات کا سفر کیا اور اپنے رشد و ہدایت کے کام کو جاری رکھا جیسا کہ اُن کے اس شعر سے بھی مترشح ہوتا ہے :—

سکل ملک کے بیچ میرا ہے پھیرا
پرت کا اہے درد مجھ میں گھنیرا

« من سمجھاون » میں بھی اکثر جگہ شاہ تراب نے اپنی سیاحی اور جادہ پیمائی کا ذکر کیا ہے ۔ « من سمجھاون » کا سنہ تصنیف انجمن ترقی اُردو کے کتب خانے کی وضاحتی فہرست میں سنہ ۱۱۷۱ ھ بتایا گیا ہے اور جب وہ اس نظم میں بار بار اپنی غریب الوطنی کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۵۰ھ سے لے کر سنہ ۱۱۷۱ھ تک یعنی تقریباً اکیس سال تک اُن کا سفر جاری رہا اور پتہ نہیں اس کے بعد بھی وہ کب تک تبلیغ و اشاعت کی غرض سے مختلف مقامات میں پھرتے رہے ۔ « من سمجھاون » میں شاہ تراب اپنے سفر اور اپنی غریب الوطنی کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں :—

جلا تن کون اپنے بھیا ہوں سنیاسی
وطن چھوڑ پھرتا ہوں دائم اُداسی

یا ایک اور جگہ کہتے ہیں :—

ہمن کیا ہے درکار سیر چمن سوں
نہ مطلب رکھے ہند و ملک دکن سوں
مسافر ہو نکلے ہیں اپنے وطن سوں
تراب کے تو مل ساتھ چین امن سوں

« من سمجھاون » میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ہم قلندروں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہم تو ترک وطن کر کے « عشق کی راہ » میں تن کو خاک لگا کر نکل جاتے ہیں اور اس طرح سفر کرتے ہیں کہ کفن کے لئے ہمارے پاس کوڑی بھی موجود نہیں ہوتی :—

جو باندا لنگوٹہ لگا خاک تن کوں
دیا چھوڑ اک بار حب الوطن کوں
جلا عشق کی باٹ میں مال و دھن کوں
رکھے پاس نہ کاس ہرگز کفن کوں

ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا جھالسہ
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کالسہ

جس زمانے میں شاہ تراب نے تنجور کا سفر کیا ، اُس زمانے میں وہاں مرہٹہ راجا پرتاب سنگھ حکمران تھے (۱۷۳۹ء تا ۱۷۶۳ع) ۔ شاہ تراب نے سنہ ۱۷۵۸ء میں تنجور کا سفر کیا تھا اور یہیں اُنہوں نے رام داس کی « شری مناچے شکوک » کے جواب میں « من سمجھاون » لکھی تھی[1]۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تنجور کے لوگوں نے شاہ تراب کی زیادہ آؤ بھگت نہیں کی ۔ « من سمجھاون » میں وہ لکھتے ہیں کہ تنجور میں میری قدر نہیں ہوئی اور کسی نے یہ سمجھ کر کہ میں کبیر کی طرح ایک گیانی قلندر ہوں اپنے گھر نہیں بلایا :—

سمج کر ہندو راج آیا تنجاور
سکل جگ کے منہ سے دھرم راج سن کر
ولیکن مجھے کوئی بلایا نہیں گھر
سمج کر کبیرا سا گیانی قلنـــدر

---

(1) تفصیل آگے آئے گی ۔

تنجور میں شاہ تراب کا قیام کافی عرصے تک رہا جیسا کہ ان کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے —

تراب اس شہر سیتی جلدی نکل توں
بہت دن رہیا اب اتا اٹھ کے چل توں

تنجور میں بھی شاہ تراب کا مستقل قیام نہیں رہا ۔ وہ اس مقام کو بھی خیر باد کہہ کر آگے بڑھتے ہیں ۔ غالباً وہ جنوب کی طرف نکل گئے ہوں گے کیونکہ « من سمجھاون » کے آخر میں تراب کہتے ہیں کہ میں اب اس کتاب کو ختم کرکے اور تنجور کی سکونت ترک کر کے دریائے کاویری کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہوں۔ کاویری کے پاس جو مقامات واقعے ہیں ان میں سری رنگم (رامانجا چاری کی جائے رہائش) ناگا پٹنم ، ناگور ، ترچنا پلی اور مدورا وغیرہ ہیں ۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ ترچنا پلی کی طرف سے جنوب کو روانہ ہو گئے ہوں گے ۔

تراب کے حالات زندگی کسی تذکرے یا ادبی تاریخ میں موجود نہیں ہیں ، صرف داخلی شہادتوں کی روشنی ہی میں ہمیں اُن کے واقعات زندگی کا علم ہو سکتا ہے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُن شعراء اور مصنفین کے حالات ہم کو نسبتاً آسانی سے مل جاتے ہیں جو کسی دربار سے وابستہ رہے ہوں یا کسی امیر کبیر سے متمسک رہے ہوں لیکن تراب درباروں اور امیروں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہے ۔ اُنہیں دنیا کے جاہ و حشم اور مال و دولت کی پرواہ نہیں تھی ۔ « گلزار وحدت » میں شاہ تراب کہتے ہیں کہ نہ میں کسی امیر کے پاس جاتا ہوں اور نہ

وہ میرے تکیے پر آتے ہیں کیونکہ مجھے کسی سے اپنی قدر و منزلت تسلیم کروانی مقصود نہیں ہے اور نہ میں کسی قسم کی داد و دہش کا خواہاں ہوں :—

نہ کوئی اہل دول مج پاس آتا
نہ میں کس پاس جا شیخی جتاتا
نہ قدر و منزلت کس پاس چنداں
نہ ہے داد و دہش کا آس چنداں
بہر صورت گذر جاتی ہے اوقات
اپس قسمت او پرشا کر ہوں دن رات
نہ میرے راز کا ہمراز کوئی
نہ مج سا عاشق جانباز کوئی

شاہ تراب کی تاریخ وفات کا پتہ نہیں چل سکا لیکن اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ۱۱۸۷ھ تک بقید حیات تھے اسی سنہ میں اُنہوں نے « آئینہ کثرت » لکھی تھی :—

سلسلہ بیعت | شاہ تراب حضرت پیر پاشاہ حسینی کے مرید تھے جو چشتیہ سلسلے کی ایک کڑی تھے ۔ شاہ تراب نے اپنی نظم «گیان سروپ» ، اپنے مرشد و رہبر کی تعریف میں لکھی ہے ۔ شاہ تراب پیر پاشاہ حسینی اور اُن کے بڑدادا امین الدین اعلی کی مدح کرتے ہوئے اپنی عقیدت کا اس طرح اظہار کرتے ہیں :—

پیر پاشاہ صاحب بڑے ولی
ہے دادا جن کے ولی علی
جیوں خشبو پھول کی کلی کلی
یوں مشہور ہیں وو گلی گلی
سب تن کی کیلی وہاں کھلی
اب بھی ذکر ہے خفی جلی
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اُسی بلہارا ہے

«گیان سروپ» کی تصنیف کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیر پاشاہ حسینی سے عقیدت اور مودت کا اظہار کیا جائے اور اُن کی تعریف کی جائے۔ شاہ تراب نے اپنی مثنوی «مہ جبین و ملا» میں «در بیان عشق حقیقی گوید» کے زیر عنوان، عشق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اپنے مرشد کی اُس غزل کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں عشق حقیقی کی خصوصیات کا بیان مذکور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:—

میرے مرشد کی یارو یو غزل ہے
کہ جس مرشد کا میرے پو فضل ہے
نہیں دل ہے مشقت اُس کون پایا
جو کوئی عالم کے تئیں ہستی میں لایا
معانی کے چمن میں غنچہ لفظ
کہا دل جیون ہمن و صفش دکھایا[1]

اس غزل کے ان ہی اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے «مخزن الامین» میں امین الدین علی ثانی لکھتے ہیں:—

«چنانچہ حضرت پیر پاشاہ حسینی قدس اللہ سرہ العزیز در این باب می فرمایند۔ غزل

نہیں دل ہے مشقتٌ اس کون پایا
جو کوی عالم کے تیں ہستی مین لایا
معانی کے چمن میں غنچہ لفظ
کہا دل جیون ہمن و صفش دکھایا[2]»

۱۔ مثنوی مہ جبین و ملا۔ صفحہ ۳۷۔ مخطوطہ نمبر ۷۷۔ شاملات۔ اسٹیٹ لائبریری۔ حیدرآباد۔
۲۔ مخزن الامین از امین الدین علی ثانی۔ صفحہ ۷۰۔ مخطوطہ نمبر ۱۷۲۲۔ تصوف۔ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پیر پاشاہ حسینی تراب کے مرشد تھے۔ جن اشعار کو تراب نے اپنے مرشد کے اشعار بتائے ہیں اُن ہی کو امین الدین علی ثانی پیر پاشاہ حسینی کے اشعار بتاتے ہیں۔ امین الدین علی ثانی کا بیان اس لئے بھی قابل قبول اور مستند ہوسکتا ہے کہ وہ اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ امین الدین علی ثانی پیر پاشاہ حسینی کو اپنا جد بتاتے ہوئے کہتے ہیں:—

«حضرت مرشد برحق و پیشوائے مطلق حضرت پیر پاشاہ حسینی قدس اللہ سرہٗ العزیز کہ جد فقیر اند بہ زبان دکنی می فرمایند[1]»

اسی طرح ایک اورجگہ «مخزن الامین» میں امین الدین علی ثانی، پیر پاشاہ حسینی کے اس شعر کا حوالہ دیتے ہیں:—

سرودی کا عجب نازک گلہ ہے
کہ جس پر جملہ عالم مبتلا ہے

اس شعر کو شاہ تراب نے «قصہ مہ جبین و ملا» میں اپنے مرشد کا شعر بتایا ہے اور کہتے ہیں:—

اگر نیں اعتبار ہے تجھ کوں پیاری
تو سن غزل حسینی ہور ساری
سرودی کا عجب نازک گلہ ہے
کہ جس پر جملہ عالم مبتلا ہے
حسینی جس کے تئیں آواز کہتے
سوہی اچھر ستی اُونر ملا ہے

۱ ۔ مخزن الامین از امین الدین علی ثانی ۔ صفحہ ٦٦ ۔ مخطوطہ نمبر ۱۷۲۲ ۔ تصوف ۔ اسٹیٹ لائبریری ۔ حیدرآباد ۔

ایسے اور بہت سے اشعار ہیں جو « مخزن الامین » اور « مکشوف الامین » میں پیر پاشاہ حسینی کے اشعار بتائے گئے ہیں اور انہیں اشعار کو شاہ تراب نے بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ اپنی تصانیف میں مثالی اشعار کے طور پر پیش کیا ھے اور وہ ان اشعار کو اپنے مرشد کے اشعار کہتے ہیں۔

حسینی تخلص کے ایک اور شاعر کا کلام اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ھے [1] لیکن وہ بہت بعد کے شاعر ہیں جیسا کہ اُن کے اس شعر سے معلوم ہوتا ھے :—

اس تیرھویں صدی میں غفلت بڑی بُری ھے
دنیا کی طمع دیکھو عقبیٰ بری کری ھے

اسی تخلص کے ایک اور شاعر کا کلام جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں بھی موجود ھے جو رفاعی تھے۔

زمین ہور آسمان او پر طبل بجتا رفاعی کا
ہر اک شہران و بستی میں طبل بجتا رفاعی کا
حسینی کمترین خادم سدا خدمت منے قائم
اوسے ہو نامور دائم طبل بجتا رفاعی کا [2]

لیکن یہ دونوں حسینی شاہ تراب کے مرشد پیر پاشاہ حسینی سے بالکل مختلف ہیں۔ سخاوت مرزا صاحب نے ان کا نام سید شاہ حسینی پیر بتایا ھے یہاں نام کے اجزاء کی ترتیب میں ذرا فرق پیدا ہوگیا ھے۔ تراب کے مرشد کا اصل نام پیر پاشاہ حسینی تھا تراب نے اُنہیں جوش مودت میں حسینی پیر کہکر یاد کیا ھے لیکن یہ اُن کا اصل نام نہیں تھا۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو ۔ مثنویات ۔ نمبر ۵۴۲۔

۲ ۔ ملاحظہ ہو ۔ نوائے ادب ۔ جولائی اکتوبر ۔ سنہ ۱۹۵۱ع ۔ صفحہ ۔ ۴۰ ۔

پیر پاد شاہ حسینی ، علی پیر حسینی کے فرزند تھے جو بابا شاہ حسینی کے بیٹے اور امین الدین اعلیٰ کے پوتے تھے ۔ علی پیر صاحب تصنیف تھے ۔ اُن کے ایک « رسالۂ تصوف » کا ذکر « پنج گنج » مولفہ شاہ فاضل بیابانی میں ملتا ھے۔ جس کے متعلق مولف نے لکھا ھے کہ یہ رسالہ افضل شاہ بیابانی کو جو ان دنوں آشٹی میں مقیم تھے ، خود علی پیر نے اصلاح کے لئے دیا تھا جیسا کہ حسب ذیل بیان سے معلوم ہوتا ھے :—

« علی پیر صاحب در قصبۂ آشٹی بود و من عاصی کمتر بہ ہمراہ مرشدی شاہ افضل صاحب ملاقات او نمود و رسالہ کہ در تصوف علی پیر ساختہ بود بدست حضرت شاہ افضل بیابانی صاحب دادہ گفتن اگر در این سہوے بیند اصلاح دہند [1] »

شاہ تراب اپنے مرشد کی مدح کرتے ہوئے ایک جگہ اُن کے والد علی پیر کا اس طرح ذکر کرتے ہیں :—

حسینی پیر میرا مہلی ہے ۔۔۔ خدا ہے ہور محمد ہور علی ہے
ہے جس کا باپ ہور ہادی علی پیر ۔۔۔ کریں سب اس کوں سجدہ پیر ہور میر

« مخزن الامین » سے بھی ہمیں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ پیر پاشاہ حسینی کے مرشد اور اُن کے والد علی پیر تھے ۔ امین الدین علی ثانی « مخزن الامین » میں پیر پاشاہ حسینی کے جن اشعار کا حوالہ دیتے ہیں وہ یہ ہیں :—

جب ہوا اُس کوں آپس کی آفرینش کا گمان
ما گمان تھا یا کیا یک پل مین کہہ سب کُن فکان
تب سِتی پایا رموز خاص کے معنیٰ کے تئیں
جب حسینی پر ہوئے حضرت علی پیر مہربان [2]

---

۱ ۔ پنج گنج مولفہ شاہ فاضل بیابانی ۔ صفحہ ۹۹ ۔ مطبوعہ دستگیری پریس چیلہ پورہ ۔

۲ ۔ مخزن الامین ۔ از امین الدین علی ثانی ۔ صفحہ ۵۱ ۔ مخطوطہ نمبر ۱۷۲۲ ۔ تصوف ۔ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد ۔

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ پیر پاشاہ حسینی اپنے والد علی پیر کے مرید تھے ۔ علی پیر کے والد کا نام بابا شاہ حسینی تھا جو امین الدین اعلیٰ کے فرزند تھے ۔ مولوی عبدالحق اُن کا عرف پیر پاشاہ بتاتے ہیں لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے کہ بابا شاہ حسینی ، « علی جیو گام دھنی کے مرید تھے بابا شاہ حسینی ، امین الدین اعلی کے بیٹے اور اُن ہی کے مرید و خلیفہ تھے ۔ « تذکرہ ریاض اعظم » میں سید محمد موسوی علی پیر کے ایک اور پوتے شاہ چشتی پیر کے متعلق یہ لکھتے ہوے کہ وہ امین الدین اعلی کی درگاہ کے سجادہ نشین تھے ، علی پیر کے والد کا نام بابا شاہ حسینی ہی بتاتے ہیں اُنہوں نے لکھا ہے :۔

« در آن زمان سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ امین الدین علی قدس سرہ حضرت شاہ چشتی پیر بن حضرت برہان الدین بن حضرت علی پیر بن حضرت شاہ بابا حسینی خلف الصدق حضرت خواجہ بود »[۱]

« مشکوۃ النبوت » کی ایک عبارت سے بھی ہمیں اس کا ثبوت مل جاتا ہے کہ بابا شاہ حسینی کے بیٹے علی پیر تھے اور بابا شاہ حسینی کے والد امین الدین اعلیٰ تھے یہ عبارت ملاحظہ ہو جس میں سید شاہ غلام علی ، شاہ اعظم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

« ایشان مرید شاہ اولیاء و ایشان مرید شاہ وصی علی و ایشان مرید شاہ عرف علی و ایشیان مرید حضرت علی پیر حسینی بن بابا شاہ حسینی بن حضرت امین الدین علی بودند »[۲]

« ظہور کلی » میں خود شاہ تراب نے اس سلسلے کو یوں بیان کیا ہے کہ

۱۔ تذکرہ ریاض اعظم ۔ از سید محمد علی موسوی ۔ صفحہ ۵۰ قلمی ۔ تذکرہ ۲۴۱ ۔ اسٹیٹ لائبریری ۔

۲۔ مشکوۃ النبوت ۔ از سید شاہ غلام علی ۔ صفحہ ۱۳۸ ۔ تذکرہ قلمی ۔ مخطوعہ نمبر ۱۹۴ ۔ اسٹیٹ لائبریری ۔ حیدرآباد

برہان الدین جانم کے فرزند امین الدین علی اور ان کے بیٹے بابا شاہ حسینی ہیں جن کے فرزند کا نام علی پیر ہے :۔

بادشاہ وو جہان ہادی دین
یعنی بابا. شاہ شمس العارفین
قرۃ العین امین الدین علی
یعنی بابا شاہ حسینی مہبلی
ہے نبیرا حضرت برہان کا
او ہوا ہادی میرے ایمان کا
تھا علی پیر کا فرزند رشید
ہند ہور دکن ہے جس شہہ کا مرید

اس طرح شاہ تراب ، پیر پاشاہ حسینی بن علی پیر حسینی بن باباشاہ حسینی بن امین الدین اعلی کے مرید تھے ۔ خود اُنہوں نے « گلزار وحدت » میں اس سلسلے کی وضاحت یوں کی ہے جو اس ساری بحث کا نچوڑ ہے :۔

اتھے برہان الدین برہان ناطق
سراپا بلکہ تھے قران ناطق
بھی اون کا نور دیدہ او ولی ہے
کہ جس کا نام امین الدین علی ہے
امین الدین علی کے نور عینی
شہنشاہ یعنی بابا شاہ حسینی
بھی فرزند اُن کے ہیں حضرت علی پیر
کرین سجدہ جسے سب پیر ہور میر
اتھا حضرت علی کا نور دیدہ
او حضرت پیر پاشاہ حق رسیدہ
تراب نقش پائے آن ولی ہے
کہ جس کا جد امین الدین علی ہے

اس طرح شاہ تراب کا سلسلہ بیعت یہ ہے —

شاہ میران جی شمس العشاق

|

برہان الدین جانم

|

امین الدین اعلی

|

بابا شاہ حسینی

|

علی پیر حسینی

|

پیر پاشاہ حسینی

|

شاہ تراب

مرید

|

غلام مرتضیٰ

(فرزند و مرید)

شاہ تراب نے اپنے بیٹے غلام مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ اور جانشین منتخب کیا تھا۔ «خلافت نامہ» میں اُنہوں نے اپنا سلسلہ بیعت جس طرح بیان کیا ہے اس سے بھی مندرجہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں :—

اُن کے ہمراز و شہرۂ آفاق   شاہ میران جی یعنی شمس العشاق
اُن کے لخت جگر و نور بصر   شاہ برہان ہادی رہبر

اُن کے فرزند و جانشین ولی   شاہ شاہان امین الدین علی
اُن کے فرزند و جانشین برحق   ہیں علی پیر ہادی مطلق
اُن کے فرزند جانشین ہمراز   پیر پاشاہ مرشد ممتاز
ہے حسینی تو نام جد اُن کا   تھا علی کا تو کل جسد اُن کا
اُو خلافت اُو خرقہ اُو مطلب   شاہ بخشے تراب کے تئں سبب
کر تو نام حسینی ہو قرباں   اے تراب سین صدق اپس کا جان
نورالابصار مرتضائے شریف   لو خلافت فقیر کا تشریف
فضل حق سوں تجے مبارک باد   بہ محمد و آلہ الامجاد

شاہ تراب کے مرشد | جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا جا چکا ہے، شاہ تراب کے مرشد پیر پاشاہ حسینی تھے۔ سنہ ۱۰۷۳ھ عہد عادل شاہ میں بیجاپور میں پیدا ہوئے تھے[1]۔ حسینی پیر نے اپنے دادا اور والد یعنی بابا شاہ حسینی اور علی پیر حسینی کے ہاتھوں تربیت پائی تھی۔ وہ فارسی اور عربی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے اور علم متداولہ کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ شاہ تراب نے اپنے مرشد پیر پاشاہ حسینی کے متعلق «گنج الاسرار» اور «گلزار وحدت» میں لکھا ہے کہ وہ رمل نجوم، منطق، فلسفہ، تصوف اور حکمت وغیرہ میں غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے[2]۔

پیر پاشاہ حسینی کی تاریخ وفات کا پتہ نہیں چلتا لیکن ہم اتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سنہ ۱۱۵۰ھ تک بقید حیات تھے

۱۔ دیوان سید شاہ حسینی پیر۔ از سخاوت مرزا۔ رسالہ اردو ادب، شمارہ نمبر ۱، ۲، سنہ ۱۹۶۰ع۔ صفحہ ۴۰۔
۲۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

کیونکہ اسی سال اُنہوں نے اپنے «خاص الخاص» خلیفہ شاہ تراب کو خلافت بخشی تھی[1] جیسا کہ شاہ تراب «ظہور کلی» میں بیان کرتے ہیں۔ پیر پاشاہ حسینی کے صاحبزادے امین الدین اعلی ثانی بھی صاحب تصنیف گذرے ہیں۔ ان کی دو تصانیف «مخزن الامین[2]» اور «مکشوف الامین[3]» دستیاب ہوتی ہیں۔

پیر پاشاہ حسینی اپنے زمانے کے اچھے شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اُن کا دیوان «دیوان حسینی» اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے، جس کے مطالعے سے اُن کی قادر الکلامی اور اُن کی شعری صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اُن کی بعض غزلیں سراج اورنگ آبادی، ولی، عاجز اور یقین کی یاد دلاتی ہیں۔ پیر پاشاہ حسینی کی غزلوں میں بڑی سلاست، روانی، گھلاوٹ، شگفتگی اور ایسا ختگی پائی جاتی ہے یقین کی مشہور غزل جس کا مطلع ہے:—

زنجیر میں اس دل کے پھنس جانے کو کیا کہیئے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیئے

کے مصرعہ ثانی پر پیر پاشاہ حسینی نے جو مخمس کہا ہے اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں جن سے پیر پاشاہ حسینی کے رنگ سخن کا اندازہ ہوسکتا ہے:—

بیخود ہوں سجن سیتی دل لانے کوں کیا کہیئے
تجہ دید کے سودے کے مستانے کوں کیا کہیئے
مشہور یو شاہد ہو دکھلانے کوں کیا کہیئے
بینش میں محیط ہوکر مل جانے کوں کیا کہیئے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کوں کیا کہیئے

۱۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔
۲،۳۔ یہ دونوں مخطوطات اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہیں۔

تجہ عشق کے سودے سوں آرام نہیں مجکوں
بیکل ہوں تڑپتے بن کچھ کام نہیں مجکوں
انکھیاں کے بجز مسکن بسرام نہیں مجکوں
جز شاہدی شاہد کے انجام نہیں مجکوں
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیئے

جب نور کے دریا میں یکرنگ ہوجاوے گا
امواج نمن سر کوں ہستی سوں اوچاوے گا
سقہ اہے سولی چڑ آپس کوں سزا دے گا
تب راز حسینی گنج مخفی کا بتادے گا
کیا کام کیا دل نے دیوانے کوں کہیئے

«کلمۃ الحقائق» میں پیر پاشاہ حسینی کا نام درست نہیں لکھا گیا ہے۔ پیر پاشاہ حسینی کے والد کے نام کے ساتھ ان کا نام غلط ملط کردیا گیا ہے اور «شاہ علی پیر پاشاہ حسینی بتایا گیا ہے[1]» دوسری غلطی یہ ہے کہ پیر پاشاہ حسینی کے والد کا نام مرتب نے بابا شاہ لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ بابا شاہ حسینی، پیر پاشاہ حسینی کے دادا تھے جن کے بیٹے (یعنی پیر پاشاہ حسینی کے والد) کا نام علی پیر حسینی تھا۔

مذہب | شاہ تراب سنی المذہب تھے۔ اُنہوں نے «ظہور کلی» اور «گنج الاسرار» «گلزار وحدت» میں خلفائے اکرام کی شان میں اشعار لکھے ہیں۔

۱۔ ملاحظہ ہو «کلمۃ الحقائق» مرتبہ اکبر الدین صدیقی۔ صفحہ ۷۔

«گنج الاسرار» میں خلفائے اکرام کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

عجب تھے او نبی کے چار یاران
ہے قائم جن سون سارا جسم انسان
ستون دین اون چارون کو جانو
ظہور کائنات حق پچھانو
نہیں کچھ اختلاف ان چار میں ہے
محبت روز و شب ہر یار میں ہے

شاہ تراب نے اپنی ہر تصنیف میں حضرت علی کی شان میں بہت سے مدحیہ اشعار لکھے ہیں ۔ حضرت علی سے اُنہیں اتنی عقیدت تھی کہ وہ اپنے آپ کو اکثر جگہ «تراب بو ترابی» اور «بوطالبی» یا «نقش پائے ہشت و چار» اور «نقش نعلین علی» کہتے ہیں ۔ حضرت علی کی منقبت لکھتے ہوئے کہتے ہیں :—

کل شئی میں ہے محیط اسم علی
پھر رہا ہے تحت و فوق اسم علی
رکھ علی کی دوستی دل سے تراب
کہ اہے اُو شافع یوم الحساب

«گلزار وحدت» میں شاہ تراب نے لکھا ہے کہ وہی سچا صوفی بن سکتا ہے جس کا دل «حُبِ علی» سے «معمور» ہو ۔ اُن کا خیال ہے کہ اسی محبت کے ذریعہ سے ہم «حق» کو «پاسکتے» ہیں جیسا کہ حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے :—

او ہی پاوے گا حق کون اے برادر
اہے جس دل کے درمیان حُب حیدر
اگر اُو حب نہیں ہے مرد مان کون
نہیں پائیں گے اُو نور خدا کون

اسی مثنوی کے اختتام پر خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! مجھے دنیا کی دولت و ثروت کی ہوس نہیں، میری تو صرف یہ تمنا ہے کہ تو عمر بھر مجھے علی کی یاد میں مشغول رکھ اور میری آل اور اولاد کے دل میں بھی اس محبت کا جوش پیدا کر ۔ اس دعا کے بعد وہ اپنی تصنیف کو ختم کردیتے ہیں یہ اشعار ملاحظہ ہوں :—

الٰہی حب حیدر میں مجھے رکھ
ہمیشہ یاد صفدر میں مجھے رکھ
میری جان لگ اچھے گی آل اولاد
رکھ اُن کو حب اہل بیت سون شاد
اگر قالب سون جی تک لے گا ایکبار
بیاد حیدر صفدر مجھے مار
کہوں کیا حالت دار یش پُر خون
جواہر خانۂ بو طالبی ہوں

اسی طرح «گنج الاسرار» اور «ظہور کلی» کے اختتام پر بھی خدا سے دعا کرتے ہیں کہ بحق پنجتن میرے فرزند غلام مرتضٰی کو علم اور ادراک عطا کر ۔ «قصہ مہ جبین و ملا» میں تیسری سرخی «در نعت مرتضٰی علی گوید» کے تحت لکھتے ہیں :—

علی کی تیغ کوں سب مانتے ہیں
علی کو شیر حق سب جانتے ہیں
خدا ہور مصطفٰی حیدر ہے میرا
سچا مشکل کشا صفدر ہے میرا
جدا اک جسم کو جو کوئی کرے گا
نبی سے تو مخالف اُو مرے گا
سدا جس دل منے بغض علی ہے
نپٹ اُو خارجی ملعون لعین ہے

شاہ تراب نے اپنی تصانیف میں اہلبیت اطہار سے بھی اپنی مودت اور عقیدت کا اظہار کیا ھے چند شعر ملاحظہ ہوں :—

پیش عُقلا اس قدر ایمان ہے بس
حب اہل بیت بس باقی ہوس
ذرے ذرے میں ظہور پانچ ہے
دیکھ لیو سانچ کو کیا آنچ ہے
حب اہل بیت کوں ایمان بوجھ
جس کوں ہے ایمان سو انسان بوجھ

صوفی ہونے کی حیثیت سے شاہ تراب بڑے وسیع النظر اور روشن خیال تھے۔ وہ تمام انسانوں کو ایک ہی سطح سے دیکھتے تھے۔ «من سمجھاون» اور «گلزار وحدت» میں شاہ تراب نے اکثر جگہ اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہم نے اصطلاحیں وضع کرکے عشق کے مذھب کو محدود کردیا ہے ورنہ سب انسان ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں اور اس طرح سب ایک ہی «صنم» کے «پرستار» ہیں۔ ایک وسیع المشرب صوفی کی طرح رسومات اور ظاھرداری کی پابندیوں سے بلند ہوکر شاہ تراب کہہ دیتے ہیں :—

مذھب و ملت ستی بے قید ہوں
دام زلف مہ جبین کا صید ہوں

شاگرد

شاہ تراب کے متعلق اُن کے فرزند غلام مرتضیٰ کہتے ہیں :—

معرفت کے علم میں توں طاق ہے
نام تیرا شہرۂ آفاق ہے
اس عصر میں تو نہیں ثانی تیرا
میں تو ہوں فرزند ہور جانی تیرا

اس بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارا یہ قیاس کرنا غلط نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ شاہ تراب کے بہت سے شاگرد اور مرید رہے ہونگے۔ شاہ تراب کے ایک مشہور شاگرد اور مرید شاہ معین علی تجلی[1] تھے شاہ معین تجلی باغ خلیل خاں بیرون دروازہ علی آباد میں مدفون ہیں۔ معین علی تجلی کی ایک تصنیف «کلام المعین شرح دوائر جام جہاں نما الموسوم بہ «فتح المعین» ہے جس میں اُنہوں نے اپنے آپ کو شاہ تراب کا تربیت یافتہ کہا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :—

«این فقیر خاکسار تربیت یافتہ حضرت گنج الاسرار شاہ تراب چشتی خلیفہ حضرت پیر پاشاہ حسینی قدس سرہ جانشین حضرت امین الدین علی قدس سرہ این رسالہ بزبان فارسی تصنیف کردہ است[2]»۔

انجمن ترقی اُردو کے کتب خانے کی وضاحتی فہرست میں «کلام المعین» کا سنہ تصنیف ۱۱۷۴ ھ بتایا گیا ہے۔ حیدرآباد کی اسٹیٹ لائبریری میں اس کا جو نسخہ موجود ہے اس پر سنہ تصنیف درج نہیں ہے۔ شاہ معین تجلی کے شاگرد شاہ تجلی علی نے حیدرآباد میں بڑی شہرت پائی تھی۔ ان کے متعلق تاریخ «گلزار آصفیہ» کے مصنف لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اُستاد شاہ معین علی تجلی کے طرز تحریر کا چربہ اُتار لیتے تھے[3]۔

۱۔ تجلی علی نامی ایک اور بزرگ حیدرآباد کے محلے پنجہ شاہ میں رہتے تھے۔ تجلی علی شیعہ تھے۔

۲۔ کلام المعین شرح دوائرہ جام جہان نما ، از شاہ معین تجلی۔ صفحہ ۱۔ ادبیہ ۱۷۲۔ اسٹیٹ لائبریری۔ حیدرآباد۔

۳۔ تاریخ «گلزار آصفیہ»۔ غلام حسین۔ صفحہ ۲۸۲۔ مطبع محمدی۔

ہمعصر شعراء | شاہ تراب کے ہم عصر شعراء میں « روضۃ الشہداء » (۱۷۰۷ع) اور مثنوی « رتن پدم » کے شاعر ولی ویلوری ، فراخی ، طالب ، ندیم تمیم احمد ، بیچارہ اور مثنوی « دیپک و پتنگ » کے شاعر عشرتی شامل ہیں ۔

ولی ویلوری نہ صرف شاہ تراب کے ہمعصر تھے بلکہ اُن کے ہم وطن بھی تھے ۔ شاہ تراب ترنامل کے موضعے چیٹ پیٹ میں رہا کرتے تھے اور یہی چیٹ پیٹ ولی ویلوری کی جاگیر تھی[1] جہاں اُنہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام گذارے تھے ۔ لیکن شاہ تراب نے کہیں ولی ویلوری کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ولی ویلوری کے اشعار میں کہیں شاہ تراب کا کوئی حوالہ ملتا ہے ۔ شمالی ہند میں شاہ تراب کے ہمعصر شعراء میں میر ، سودا ، سوز ، مظہر اور یقین کے نام آسکتے ہیں ۔

تصانیف | شاہ تراب کی تصانیف کی تعداد کم نہیں ہے « ظہورکلی » « گنج الاسرار » ، « گلزار وحدت » ، « گیان سروپ » ، « آئینہ کثرت » « مثنوی مہ جبین و ملا » اور « من سمجاون » یا بارہ بحر » ان کی ایسی تخلیقات ہیں جن کے مجموعی اشعار کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے ۔ ان مخطوطات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ تراب کتنے پُر گو اور کثیر التصانیف شخص تھے ۔

ظہور کلی | یہ کتب خانہ سالار جنگ کا مخزونہ ہے ۔[2] یہ مخطوطہ دیسی کاغذ پر نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے اور اس میں (ایک سو چورھتر) صفحات ہیں اور ہر صفحے پر تیرہ تا پندرہ سطریں لکھی گئی ہیں ۔

۱ ۔ دکن میں اُردو ۔ از نصیرالدین ہاشمی ۔ صفحہ ۲۸۲ ۔
۲ ۔ ظہور کل ۔ تصوف ۱۵۶ ۔ کتب خانہ سالار جنگ ۔ حیدرآباد ۔

سائز ۷½ x ۵½ ہے ۔ یہ مخطوطہ اس اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے ہمیں شاہ تراب کی زندگی کے متعلق بہت سی داخلی شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں ۔

« ظہورکلی » شاہ تراب نے اپنے فرزند غلام مرتضیٰ کی فرمائش پر لکھی تھی جیسا کہ وہ ایک جگہ کہتے ہیں :۔

اک دن آکر پسر نکو شعار
منجھ سوں بولا قبلہ گاہ نامدار
عرض جو کچھ میں کروں سو کر قبول
مرشدان ہوتے مریدان میں رسول
اک رسالہ تم کہو دکھنی میں صاف
تا عیان ہووے جہان میں رمز کاف
اس کی خاطر داشت کو کہتا ہوں اب
مرتبہ ہر اک عناصر کا تو سب

سخاوت مرزا صاحب نے اپنے ایک مضمون « دیوان سید شاہ حسینی بیجاپوری » میں لکھا ھے کہ یہ کتاب پیر پاشاہ حسینی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی ۔ مندرجہ بالا اشعار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ھے کہ اُنہیں یہاں غلط فہمی ہوئی ھے[1] ۔

(۳۲)

« ظہور کلی » میں بتیس مختلف ابواب ہیں ۔ ہر ایک باب مین فلسفیانہ اور متصوفانہ نکات کی وضاحت کی گئی ھے ۔ ابتداء میں حمد و ثنا کے بعد

۱ ۔ اُردو ادب ۔ ج ۹ ۔ شمارہ ۱ و ۲ ، سنہ ۱۹۶۰ع ۔ صفحہ ۴۱ ۔

اپنے مرشد پیر پاشاہ حسینی اور ان کے خاندان کی مدح لکھی ہے اور اس کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے جس کے بعد مستقل ابواب کی ابتداء ہوتی ہے ۔ پہلا باب « پنج عناصر » ، دوسرا « نفس طبعی » ، تیسرا « نفس حیوانی و حواس ظاہری » ، چوتھا « حواس باطنی و غضب شہوت » ، پانچواں « نفس ناطقہ اور عقل » ، چھٹا « روح اور جسم » ، ساتواں « موجودات اورامتزاج عناصر اور حیات ممات » ، آٹھواں « واجب الوجود اور ممکن الوجود » ، نواں « خواص عناصرات خمسہ » اور دسواں باب « عشق صوری و معنوی » سے متعلق ہے ۔ عشق حقیقی کی تعریف اور اس کے محیر العقل کارناموں کو سراہتے ہوئے شاہ تراب گیارھواں باب حضرت علی کی منقبت سے شروع کرتے ہیں ۔ بارھواں باب قوس اور بروجات کے ذکر پر مشتمل ہے اور ان کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ تراب لکھتے ہیں کہ صرف شیخ کامل کے وسیلے اور واسطے ہی سے ہم ان اسرار و رموز کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں اس کے بعد تیرھویں باب میں اُنھوں نے شیخ کامل اور شیخ ناقص کا فرق بتایا ہے اور کہتے ہیں :—

پیر ناقص رہزن ایمان ہے
رہزن ایمان جیون شیطان ہے
جستجو تون مرشد کامل کا کر
آرزو تون عارف واصل کا کر
صحبت کامل کمال عین ذات
صحبت ناقص زوال ہر صفات
جس کا رہبر مرشد کامل ہوا
اُو سراپا عارف و واصل ہوا

« ظہور کلی » کا چودھواں باب عرش و کرسی و ملائک کے ذکر پر مشتمل ہے اور اسی طرح پندرھویں باب میں روئے نبانی کی وضاحت کی گئی ہے ۔ شاہ تراب نے سولھویں اور سترھویں باب میں منازل علوی و سفلی کی وضاحت کی ہے اور عربی اور سنسکرت اصطلاحوں کی بھی تشریح کی ہے جیسا کہ « گلزار وحدت » میں خود شاہ تراب نے « ظہور کلی » کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں سنسکرت اصطلاحوں کے ذریعہ سے مطالب کی وضاحت کی گئی ہے :—

ظہور کلی میں اکثر بیان ہے
تمامی اصطلاح ہندی عیان ہے

شاہ تراب نے نہایت دلچسپ انداز میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح پیر پاشاہ حسینی نے اُنہیں خرقہ خلافت عطا کرکے اور اپنا خلیفہ بنا کر تبلیغ و اشاعت کی غرض سے کرناٹک روانہ کیا تھا ۔

« ظہورکلی » کے بیسویں باب کا عنوان ہے « در مذاکرہ ملاقات کردن خضر و سیر نمودن نہ فلک » اس باب کے بعد پھر حضرت علی کی شان میں منقبت لکھی ہے ۔ اسی طرح بائیسویں باب میں نعت اور تئیسویں باب میں اصحاب اکرام کی منقبت لکھی ہے ۔ چوبیسواں باب نماز باطنی اور پچیسواں قلب المومنین اور چھبیسواں کوہ و دریا و کواکب و سیر خورشید اور ستائیسواں باب اربعہ عناصر اور عقل کل کی توضیحات پر مشتمل ہے ۔ اس کے بعد کے دو باب بہت دلچسپ ہیں ۔ ان میں چشم و لب ، زلف ، خط خال ، چشم اور اب کے استعاروں میں حسن حقیقی اور

عشق الٰہی کے بعض اسرار و رموز کی وضاحت کی گئی ہے۔ شاہ تراب کے یہ دو ابواب وجہی کی «سب رس» کی یاد دلاتے ہیں جس میں اسی طرح تمثیلی انداز میں حسن، عشق، زلف اور چشم و ابرو کی علامات میں وجہی نے «مشاہدہ حق کی گفتگو» کی ہے۔ اس کے بعد «بت و زنار» کے بیان میں ایک باب لکھا گیا ہے اور اس میں «در مذاکرہ خاتمہ کتاب» کے زیر عنوان شاہ تراب نے کتاب کے نام اور سنہ تصنیف کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے موضوعات پر اس طرح روشنی ڈالی ہے :—

ہے ظہور کلی نام ایں کتاب
جس کوں با تاریخ کہا ہاتف خطاب
.... مثنوی میں بیشتر ہیں نقلیات
ہے ظہور کلی میں کل وصف ذات
اس رسالے کو لکھو با آب زر
کر اچھے شوق الٰہی دل بھیتر

آخر میں «ظہور کلی» ختم کرتے ہوئے شاہ تراب خدا سے دعا کرتے ہیں کہ میرے فرزند غلام مرتضیٰ کو خدا کا عشق عطا ہو اور میری یہ کتاب مقبول خاص و عام ہو جائے :—

اے خداوندا بحق پنجتن
توں میرا مقبول عالم کر سخن
یو رسالہ جس کی خاطر سب کہا
اُس کے دل میں شوق تیرا دے سدا
راز تیرا اے خدائے بحر و بر
توں غلام مرتضیٰ پر کشف کر
یا رسول اللہ بحق بوتراب
رکھ سدا مقبول عالم یو کتاب

شاہ تراب نے «ظہور کلی» کے بعض ابواب میں بر سبیل تذکرہ حکایتیں بھی بیان کی ہیں جن کا مقصد کسی خاص خیال کی مزید وضاحت و تشریح کرنا معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح کی نو حکایتیں «ظہور کلی» میں بیان کی گئی ہیں جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں :—

(۱) حکایت بادشاہ و وزیر عاقبت اندیش۔
(۲) حکایت ترنامل و خرابی فوجدار عالم آزار۔
(۳) حکایت عاشق شدن کیزک بادشاہ۔
(٤) حکایت آزمائش خُلق محمدی و کرم مرتضی علی
(٥) حکایت نکاح کردن زاھد
(٦) حکایت زن حجام
(۷) حکایت دنیا دون
(۸) حکایت آغاز کردن و آزدہ شدن مجنون و کیفیت کیزک لیلی
(۹) حکایت گوزدن

«ظہور کلی» کا سنہ تصنف شاہ تراب نے ۱۱۷۱ھ بتایا ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے :—

سال تاریخ کتاب منجلی
گفت ظہور کلی مولانا علی
اُو مقرر پھر کیا نام کتاب
جب ہوا میرے پو فضل بوتراب

کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست میں جناب نصیر الدین ہاشمی نے «ظہور کلی» کا سنہ تصنیف ۱۱٦٥ھ بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

«ظہور کلی» کے متعلق شاہ تراب لکھتے ہیں کہ یہ کتاب دو مرتبہ اُنہیں ادھوری چھوڑنی پڑی تھی - لیکن مختلف مشکلات کے باوجود اُنہوں نے کتاب مکمل کر دی تھی - ایک دفعہ شاہ تراب کو «ظہور کلی» کی تصنیف اس لئے موقوف کرنی پڑی تھی کہ اُن کے چھوٹے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا اور اس غم میں وہ اتنے حیران و پریشان تھے کہ ایک عرصہ تک اُنہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی - دوسری مرتبہ ترنامل پر فرانسیسیوں کے حملے کی وجہ سے اُنہیں اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے گاؤں کو جانا پڑا تھا جس کے باعث «ظہور کلی» دوبارہ ادھوری چھوڑنی پڑی تھی -

«ظہور کلی» میں شاہ تراب نے اکثر جگہ مولانا روم کے اشعار نقل کئے ہیں - کہیں اُن کو مخاطب کر کے شعر کہتے ہیں اور کہیں اُن سے اپنے اشعار کی داد طلب کرتے ہیں - ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ تراب کو مولانا روم سے بیحد عقیدت تھی - وہ اُنہیں «شاہ ملک روم» «شاہ روم»، «بادشاہ عارفاں»، «معدن انوار»، «معرفت آگاہ روم»، «مولوی بستان راز»، «کان معرفت» اور «دوکان معرفت» کہہ کر یاد کرتے ہیں -

جناب سخاوت مرزا صاحب نے اپنے مضمون «دیوان سید شاہ بیجاپوری» میں برسبیل تذکرہ «ظہور کلی» کا بھی ذکر کیا ہے - وہ لکھتے ہیں کہ «ظہور کلی» علم رمل سے متعلق ہے اور اُس میں رمل کے رموز بیان کئے گئے لیکن یہ بیان صحیح نہیں - «ظہور کلی» رمل سے متعلق نہیں ہے بلکہ شاہ تراب کی ایک اور تصنیف «گنج الاسرار» میں رمل کے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور «ظہور کلی» میں علم رمل کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے -

«ظہور کلی» کے حاشیے پر مظہر علی شاہ قادری کے چند اشعار درج ہیں اور خود شاہ تراب کی ایک غزل لکھی ہوئی ملتی ہے - «ظہور کلی» کے بعض حصوں سے چند اشعار اس تصنیف کے طرز تحریر کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں :-

کرتوں پر نام استسی اونکار کا
کہ ہوا باعث بت و زنار کا
کچھ نہ تھا پر کاش تب سوں سن انھا
ناؤں «الاحد» کا سراپا دھن انھا

باب اول در مذاکرہ پنج عناصر کہ در اصلاح اہل ہند پنچ بہوت نامیند

پانچ گیانی ہیں ظہور پنجتن   ان سوں ظاہر ہیں یو نور پنجتن
پرتھمی پیدائش آکاش ہے   جس کے باعث سوں یو مال و ماس ہے
پانچ گن آکاش کے ظاہر ہوئے   جو عدم میں تھے سو سب باہر ہوئے

باب سیوم در مذاکرہ نفس حیوانی و خادمان نفس انسانی و حواس ظاہری

روح قدسی عارفاں کہتے تمام   ہور نفس ناطقہ اس کا ہے نام
ناطقہ اُو نفس رحمانی اہے   اومل الروح امر ربانی اہے

باب پنجم در مذاکرہ قوت خادمان نفس ناطقہ و عقل فطری و عملی

کل حواس و قوتاں باقی تمام   نفس انسانی کے خادم جیوں غلام
ایک ہر قوت ہے افضال خدا   یوں کہے ہیں مولوی بحر سخا
نفس انسانی کہ ہے روح رواں ناطقہ   ہے اوسے روح القدس سوں سابقہ

باب دهم در مذاکره عشق صوری و معنوی

عشق جانان میں تمائی عمر کہو　　اصل جانان کا ہے بہتر جستجو
جو کہ عاشق عاقبت اندیش ہے　　عشق کا سودا او سے در پیش ہے
عشق کون اول خدا پیدا کیا　　عاشق بیباک کون شیدا کیا

باب یازدهم در مذاکره انا و علی من نورٍ واحد

لایقین و احدیت ہے لامثال　　ہور نفس اولین وحدت بحال
آفتاب واجب و ممکن ماہتاب　　اک اشارہ بس ہے عارف کون تراب
مصطفی واجب علی ممکن پچھان　　واجب و ممکن میں دونوں یک نشان
کہے محمد میں علی ایک نور ہون　　ہے علی بدرالدجا میں سور ہون

باب بیستم ۔ حکایت ملاقات کردن دنیا دون و بہ او نفرت کردن

ایک دن میں سرگلشن کوں گیا　　ایک تماشا دیکھ حیران وان رہا
ایک زن خوش رو برہنہ تن ملی　　دیکھ ہووے جس کے تن کوں گدگلی
آکہی مجھکو کہ ہے تیرا فراق　　سن کے بولا میں دیا تجکوں طلاق

باب بست و ہشتم در مذاکره صبر و بیان چشم و لب خندان

تیغ اسباب اجل چشم بتان　　ہے لب شیرین میں الفت کا نشان
چشم سون بربادی عاشق پچھان　　در لبش یعنی کلام حق پچھان
چشم میں جانان کے ہے جادو تمام　　در لبش از کار اسم ہوے تمام

باب بست و نہم در مذاکره زلف و خال خط محبوب

زلف دلبر کے عجب زنجیر ہے　　اُو سراپا دام عالمگیر ہے
ہے پشیمان اسکے آگے رنگ تار　　دیک کر ہر تار مشکیں حلقہ دار
شب نے اس کا کل سون لیکر وام رنگ　　زلف بت کا دام ڈالا صبح شام

گلزار وحدت «گلزار وحدت» کا ایک قلمی نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو علی گڈھ کے کتب خانے میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے ۔ اسٹیٹ لائبریری میں اس کا جو نسخہ دستیاب ہوا ہے اس پر کسی نے سبز روشنائی سے «چہاردہ گلزار ترابی» لکھ دیا ہے ۔ لیکن یہ غلط نام ہے ۔ چونکہ «گلزار وحدت» چودہ حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصہ کو شاہ تراب نے «گل» کا نام دیا ہے (مثلاً گل اول گل دوم اور گل سوم وغیرہ) غالباً اسی لئے غلط فہمی ہوئی ہوگی اور مخطوطے پر «چہردہ گلزار ترابی» لکھ دیا گیا ہوگا ۔ اس مخطوطے کے کاتب نے یہ نام نہیں لکھا ہے کیونکہ یہ تحریر بدلی ہوئی ہے اور دوسرے رنگ کی روشنائی میں لکھی گئی ہے ۔ اس نسخے کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخطوطے کا سر ورق ضائع ہوگیا ہے جس پر کاتب نے صحیح نام لکھا ہوگا اور اس طرح سر ورق کی عدم موجودگی کی وجہ سے کسی نے پورے مخطوطے کا مطالعہ کئے بغیر محض چودہ حصوں کو دیکھ کر «چہاردہ گلزار ترابی» لکھ دیا ہے ۔ انجمن ترقی اُردو علی گڈھ کی فہرست مخطوطات میں اس کا صحیح نام یعنی «گلزار وحدت» درج ہے ۔

«گلزار وحدت» «ظہور کلی» کی طرح ضخیم نہیں ہے یہ تینتیس (۳۳) صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۵۴۸ اشعار موجود ہیں ۔ ہر سطر میں سترہ شعر ہیں ۔ آخر میں کاتب کا نام اور سنہ تصنیف درج نہیں ہے ۔ یہ نسخہ خط نسخ میں لکھا گیا ہے ۔ مخطوطے کی سائز ۱۲×۷ ہے ۔

ابتداء میں حمد کے چند اشعار لکھے گئے ہیں اور اُس کے بعد شاہ تراب نفس مضمون کی ابتدا کرتے ہیں ۔ جیسا کہ اوپر بھی بیان

یا گیا ہے «گلزار وحدت» چودہ حصوں پر مشتمل ہے جس کے ہر حصہ
تو اُنہوں نے «گل» کی سرخی دی ہے - شاہ تراب نے اس کا التزام
کیا ہے کہ ہر گل کے آخر میں تخلص لائیں بعض حصوں میں تو ابتدائی
شعار میں بھی تخلص لایا گیا ہے ہر گل کے آخری شعر میں شاہ تراب
ے آنے والے «گل» کے موضوع کا بھی تعارف کروایا ہے «گل ششم» میں
جاہل و پرفن اور مکار روحانی رہبروں اور شیوخ پر تنقید کی گئی ہے
ور اُن کی ریاکاری کا پول کھولا گیا ہے اس کے متعلق شاہ تراب نے
گل پنجم» کے آخر میں لکھا ہے : —

تراب جانشار پیر کامل
اتنا کہہ تو بیان شیخ جاہل

ی طرح «گل نہم» میں جو کہ ہمہ اُوست کے نظریئے سے متعلق ہے ،
گل دھم» کا مختصر سا تعارف کروایا ہے اور اس کی تمہید اس طرح
ان کرتے ہیں : —

وہی اللہ وہی سو ہم ہری نام
ہے اک محبوب ہیں جس کے اتے نام

س کے بعد «گل دھم» میں اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کی ہے : —

کہیں بلبل کہیں گل ہور کہیں مل
کہیں شیشہ کہیں آواز قلقل
کہیں ساقی کہیں ساغر کہیں دور
کہیں عاشق کہیں معشوق پُر جور

«گلزار وحدت» میں بھی شاہ تراب نے «ظہور کلی» اور «من سمجھاون»
ی طرح حواس باطنی ، عناصر خمسہ ، اقسام نفس اور نظریہ ہمہ اُوست

وغیرہ سے بحث کی ہے - «گلزار وحدت» میں شاہ تراب نے اس نکتہ پر
زور دیا ہے کہ خدا واحد ہے اور اُس کا ظہور ہر شئی میں جھلک گیا
ہے لیکن کثرت کے نظاروں میں وحدت کو بھول نہ جانا چاہئیے -
«گل دوم» میں «در تمثیل موم و صفت موم» میں اُنہوں نے وحدت کے
تصور کی وضاحت کی ہے اور عام فہم انداز میں اُس کو سمجھانے کی
کوشش کرتے ہیں - آگے چل کر شاہ تراب کہتے ہیں کہ موم سے مختلف
شکل کی چیزیں بن سکتی ہیں لیکن موم کی اصلیت اور خصوصیت باقی
رہتی ہے اسی طرح اُنہوں نے سونے کی مثال دی ہے کہ سونا تو اصل میں
ایک ہی چیز ہوتی ہے لیکن مختلف زیورات میں اس کی شکل مختلف
ہو جاتی ہے - شکل کوئی بھی ہو سونے کی اصلیت میں فرق نہیں آتا -
شاہ تراب نے ان مثالوں کے ذریعہ سے نظریہ ہمہ اُوست کی تشریح
کرنے کی کوشش کی ہے -

«گل سیوم» میں «سبعہ صفات» اور «گل چہارم» میں وعدۂ الست
کا بیان ہے کہ کس طرح انسان نے اُس بار امانت کو قبول کرنے کا عہد
کیا تھا جو دوسری مخلوقات کے امکان سے باہر تھا : —

کیا انسان کوں حق نے اپنی صورت
اُٹھائے تا کہ اُو بار امانت
جو عرش و فرش میں نہ کوئی قبولا
قبولا اُو ظلوماً ہور جھولا

آخر میں شاہ تراب نے انسان کو اُس کے فرائض یاد دلائے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ
انسان امانت کا بار قبول کرکے «بیہوش» اور «مجہول» ہوگیا ہے -

اس نے انسانیت کے آئین بھلا دیئے ہیں۔ یہ تساہل اور تجاہل اشرف المخلوقات کو زیب نہیں دیتا جو زمین پر خدا کی نمائندگی کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ شاہ تراب کہتے ہیں :—

اپس سون او ابی ہو مست کاہل
دیکھو ہونا ہے مہجور ان میں داخل
ارے اے بیخبر بے ہوش مجہول
امانت داری کیوں اپنی گیا بھول

شاہ تراب کہتے ہیں کہ بعض لوگ غفلت اور جاہل دور کرنے کے لئے صرف و نحو، حکمت، نجوم اور فلسفے و منطق کا علم حاصل کرتے ہیں لیکن ان تمام علوم پر عبور حاصل کرنے کے باوجود وہ بیخبر اور جاہل ہوتے ہیں کیونکہ وہ " من عرف " کے علم سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں حالانکہ یہی علم تمام علوم سے افضل اور برتر ہے :—

بھی پڑھتے علم سب صرف و نحو کا
بسر گئے شوق راز من عرف کا
خیال فاعل و مفعول رکھتے
کمال صیغۂ مجہول رکھتے

"گل ششم" میں شیخان مجہول اور "گل ہفتم" میں "وجود مطلق" کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ "گل ششم" میں شاہ تراب نے ارواح و اجسام کی کیفیتیں بیان کی ہیں اور اسی طرح "گل نہم" میں روح جمادی و نباتی کی تشریح کی ہے۔ یہ موضوعات شاہ تراب کی خاص دلچسپی اور دابستگی کے موضوعات ہیں "ظہور کلی" میں بھی وہ ان موضوعات پر کافی خامہ فرسائی

کر چکے ہیں۔ "گل دھم" کا عنوان "در ذکر کلُ شئ محیط" ہے۔ "گل یازدھم" میں رسول کی اہمیت بتاتے ہوئے آنحضرت کی نعت لکھی ہے اور اُس کی سرخی "در اسماء محمدی و آدم حقیقی" قایم کی ہے۔ رسول اکرم کے اسماء مبارک بیان کرتے ہوئے شاہ تراب کہتے ہیں —

اوسے جبر وتیاں احمد کہتے سب
کہا ملکوت میں محمود اُسے رب
محمد نام ہے ناسوتیان میں
احد پھر نام ہے لاہوتیان میں

"گل دھم" کا عنوان "در ذکر انہ نور" ہے۔ "گلزار وحدت" کے آخری حصے یعنی "چہاردھم" میں شاہ تراب نے کتاب کے نام اور اُس کی تاریخ تصنیف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "گل سیزدھم" مکمل کرنے کے بعد سے مجھے اس "رسالے" کے نام کی فکر تھی۔ تمام رات اسی پریشانی میں گذر گی کہ اُس کا کیا نام تجویز کیا جائے۔ صبح ہاتف کی آواز میں نے سنی کہ اس رسالے کا نام "گلزار وحدت" رکھ کیونکہ اس میں تو نے وحدت باری تعالیٰ کے رموز و غوامض کی تشریح کی ہے :—

مجھے نام رسالے کا فکر تھا
تمامی شب بھی دل میں ذکر تھا
دیا آواز ہاتف صبح ایکبار
کہ ہے گلزار وحدت گنج الاسرار
یکایک جو سنیا ہاتف کا آواز
رکھا گلزار وحدت اسم ممتاز

شاہ تراب نے «گلزار وحدت» سنہ ۱۱۷۳ھ میں لکھی تھی جیسا کہ ان کے حسب ذیل بیان سے پتہ چلتا ہے :—

ہزار و یک صد و ہفتاد سہ سن
مرتب جب ہوا گلـــزار روشن

اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ انجمن ترقی اُردو کے مخطوطات کی فہرست میں اس کا سنہ تصنیف جو سنہ ۱۱۷۰ھ بتایا گیا ہے وہ غلط ہے۔ «گلزار وحدت» کے اختتام پر شاہ تراب لکھتے ہیں کہ جو شخص وحدت کے «راز» کو سمجھنا چاہتا ہے اور «معرفت» اور «حقیقت» کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ «گلزار وحدت» کو پڑھ کر اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔ آخر میں «گلزار وحدت» کی اہمیت بتاتے ہوئے شاہ تراب قارئین سے اس طرح داد طلب کرتے ہیں :—

یہ وو گلزار وحدت ہے عزیزان
سراپا جس سے ہے سر منے رحمان
جو کوئی گلزار وحدت کا کرے سیر
بجز حق ناد سے گا صورت غیر
سنیں گے گلشن وحدت کے تیئں جب
جزاک اللہ فی الدارین کہو سب
میرا گلزار وحدت دیکھ ہو شاد
کہو سارے محباں آفریں باد

«گلزار وحدت» کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ تراب قدریہ نظریئے کے قائل تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے اعمال کے آپ ذمہ دار ہیں اگر ہم خیر یا شر کے مرتکب ہوتے ہیں تو یہ ہمارا اختیاری فعل ہے جسے

خواہ مخواہ لوگ خدا کی طرف منسوب کرکے اپنے گناہوں کا جواز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس بحث کا خلاصہ وہ اس طرح پیش کرتے ہیں :—

بہر حال ہم سوں خیر و ہم سوں شر ہے
خطا و شر دیکھو کار بشر ہے
اہے ضرب المثل مشہور اکثر
طویلے کی بلا باندر کے سر پر

«گلزار وحدت» میں شاہ تراب کا اسلوب بیان بہت سادہ لیکن رواں اور پُر کشش ہے۔ اور اس میں اکثر جگہ خوبصورت استعارے اور ترکیبیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شعر پیش کیا جاتا ہے جس سے تراب کی دلنشین ترکیبوں کا اندازہ ہو سکتا ہے :—

تراب بے نوا آزاد بیباک
شہید تیغ ابرو صید فتراک

«گلزار وحدت» اپنی روانی اور اپنے دلکش اسلوب بیان کی وجہ سے شاہ تراب کی تصانیف میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ ذیل میں «گلزار وحدت» کے بعض حصے نقل کئے جاتے ہیں۔ «گلزار وحدت» کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے :—

بنام آن کہ صاحب خانہ دل — زشمع دل کیا روشن ہے محفل
بہار گلشن ارواح و اجسام — نوائے بلبل آغاز و انجام
نہ آخر اس کے تیئں نہ ابتداء ہے — نہ اوس کوں منتہا نا ابتداء ہے
کیا بیدا اُو اول ہور آخر — کیا بیدا و باطن ہور ظاہر

«گل اول» «در ذکر توحید باری تعالی» ہے ۔ اس حصہ میں تینتیس (۳۳) اشعار ہیں ۔ حصہ اول کی ابتداء اِن اشعار سے ہوتی ہے :—

پس عین راز کُن ممکن پچھانو   اوہی امر الٰہی عین جانو
دسیا اُوس امر کا سارا پسارا   سراپا امر کُن کا ہے نظارا

آخری شعر ہے :—

ترابی بول اُو تمثیل نادر   کہ ہوے سر مخفی جس سوں ظاہر

«گل دویم» ، «در تمثیل موم و وصف موم» ہے اس میں اُنتیس (۲۹) شعر میں ۔ ابتدائی اشعار یہ ہیں:—

وجود ذہنی ان کون جان اے یار   ہے موجود موم حیثیت سوں درکار
یکی خشکیٔ دویم توں جان گرمی   سیوم سختی چہارم وجہ نرمی
اہین یو قابلیت موم کی سب   سمج محل مفصل ان کے سب اب

«گل سوم» ، «در ذکر سبعہ صفات» ہے جو اڑتالیس (۴۸) اشعار پر مشتمل ہے ۔ اس کے ابتدائی شعر یہ ہیں :—

اگر کوئی عقل سوں حق کوں پچھانے   تو عارف سب اُوسے زندیق جانے
عزیزان علم توحید بہوت ہے مشکل   نہیں حاصل ہے اُو جز پیر کامل

یہ حصہ اِن اشعار پر ختم ہوتا ہے :—

کرے گا بلبل دل جو کہ پرواز   ہے شاید مجھ سمن پر گلشن راز
تو بس حق و حقیقت کا بیان بول   تراب بوترابی سب عیان بول

«گل ششم» میں مرشد کامل کی ضرورت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے اس کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں :—

پھرے گا سر بصحرا ڈھونڈتا جب   ملے گا مرشد کامل اُوسے جب

«گل ششم» میں تینتیس اشعار لکھے گئے ہیں اور یہ حصہ اِن اشعار پر ختم ہوتا ہے :—

نہ مرے راز کا ہمراز کوئی ہے   نہ مجھ سا عاشق جانباز کوئی ہے

«گل نہم» میں «روح جمادی و نباتی» کا ذکر ہے ۔ اس میں نباتات و جمادات کا ، دیگر موجودات عالم سے مقابلہ کیا گیا ہے اور اِن کی اہم خصوصیات کی وضاحت چونتیس اشعار کے ذریعے سے کی گئی ہے ۔ «گل نہم کی ابتداء شاہ تراب نے اس طرح کی ہے :—

اتا طرز دیگر سوں بول بارے   حسینی دلربا کے کھیل سارے
کہ جس جا کہ کیا روح نا تصرف   لگا اُوس قید کا کرنے تاسف

آخری شعر ہے :—

تراب مے پرست کیف و وحدت   اتا کہتا ہے پھر سر حقیقت

«گل دہم» «کلُ شیئِ محیط کے ذکر میں» ہے ۔ اس حصے میں ہمہ اوست کے نظریئے سے بھی بحث کی گئی ہے شاہ تراب کہتے ہیں کہ «جمال یار» ہر شی میں جھلکتا ہے ۔ اس لئے اس عالم مادی میں بھی باری تعالی کے جلوں کی بارش ہی بارش نظر آتی ہے ۔ خدا کا جلوہ مختلف شکلوں اور حیثیتوں سے ہمارے سامنے آتا ہے :—

کہیں اُو حلقۂ زلف ستم گار   کہیں اُو ہے مثال تار زُنّار
کہیں شکل الف کیں لاَم ہیگا   کہیں اُو قشقۂ گلفام ہیگا

اِس حصہ کے تینتیس (۳۳) اشعار میں شاہ تراب نے یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ محمد کا نور آدم کی تخلیق سے پہلے ہی موجود تھا اگرچہ کہ بظاہر آدم اِس دنیا میں پہلے آئے ہیں ۔
آخر میں وہ کہتے ہیں :—

محمد باطن و آدم ہے ظاہر　　محمد اول و آدم ہے آخر
تنزل میں ہے آدم گرچہ اول　　ز عقل اول ہے خاتم مکمل
ترابی بول اب نام محمد　　کہاں محمود ہے اُو کاں ہے احمد

«گل دوازدہم» خاصا طویل ہے اور تہتر (۷۳) اشعار پر محیط ہے ۔ «گل سیزدہم» کا عنوان «در ذکر آیتہ نور» ہے ۔ اِس حصہ میں شاہ تراب کے متصوفانہ انداز بیان کا رنگ بہت چوکھا دکھائی دیتا ہے ۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ فرش سے عرش تک نور کی منزلیں ہیں ، نور کو سمجھنا ضروری ہے اور یہ ایک طرح سے ایمان کی سلامتی کا باعث ہوتا ہے :—

سمج اے یار اب تک آیتہ نور　　دیکھو قران میں ہے اوس کا مذکور
کہ چرخ نور سوں تا ارض اجساد　　منور طاق ابرو سوں ہے آباد

اِس حصہ کو چوبیس (۲۴) اشعار میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو انسان نور کو نہیں دیکھتا یا اُس کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتا وہ حیوان سے بد تر ہے اور جب تک نور کا علم اور نور کی محبت نہ ہو وہ خدا کو نہیں سمجھ سکتا ہے :—

اگر اُو حُب نہیں ہے مرد واں کوں　　نہیں پائیں گے اُو نور عیاں کوں

آخری حصہ یعنی «گل چہاردہم» «در ذکر خاتم انساب» ہے ۔ اس میں شاہ تراب نے اس رسالہ کے نام اور اس کی موزونیت کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اس مخطوطے کا آخری شعر ہے :—

تراب نقش نعلین حسینی　　کیا ختم سخن رسمی وعینی

اس مخطوطے میں نفس کتاب کے ختم ہونے کے بعد تین سطروں کا ایک ترقیمہ بھی موجود ہے ۔

گنج الاسرار | شاہ تراب کی ایک اور تخلیق «گنج الاسرار» ہے ۔ اس کا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد[1] اور دوسرا کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے[2] ۔ موخر الذکر نسخہ ناقص الآخر ہے اور صرف اٹھاون صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کا سائز ۸½ × ۲ ہے اور ہر صفحے پر چودہ تا پندرہ اشعار نستعلیق خط میں لکھے گئے ہیں اور اس کا کاغذ دیسی ہے ۔ اسٹیٹ لائبریری کا نسخہ ناقص الاول ہے لیکن ناقص الآخر نہیں ۔ «گنج الاسرار» کے دو اور نسخے[3] بھی دستیاب ہوتے ہیں ۔ ایک انجمن ترقی اُردو علی گڈھ کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ اور دوسرا جامع مسجد بمبئی کا مخزونہ ہے ۔ موخر الذکر نسخہ ناقص ہے ۔

«گنج اسرار» علم رمل کا ایک ضخیم رسالہ ہے اس کے اشعار کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے ۔ اس کی ضخامت کا اس سے بھی

---
۱ ۔ «گنج الاسرار» ۔ رمل جدید ۔ ۲۲۲۷ ۔
۲ ۔ «گنج الاسرار» رمل ۔ ۲۲

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف تمہید میں شاہ تراب نے چھ سو پندرہ اشعار لکھے ہیں۔ علم رمل سے شاہ تراب بخوبی واقف تھے اور اِس علم سے اُنہیں طبعی لگاؤ بھی تھا اس لئے ''گنج الاسرار'' میں اُنہوں نے دل کھول کر علم رمل کے نکات کی تشریح کی ہے۔ ''گنج الاسرار'' کی ترتیب میں شاہ تراب نے بڑی انفرادیت سے کام لیا ہے۔ اس کتاب میں پہلے حمد کے چند اشعار پھر تین اشعار کی مختصر سی نعت ہے جس کے بعد شاہ تراب امین الدین اعلیٰ کی شان میں تین شعر لکھ کر ''مدح ہادی'' کے زیرعنوان اپنے مرشد پیر پاشاہ حسینی کی مدح کرتے ہیں۔ ''مدح ہادی'' میں شاہ تراب کہتے ہیں کہ امین الدین اعلیٰ کو علم رمل میں کمال حاصل تھا اور اِسی طرح اِن کے پڑ پوتے پیر پاشاہ حسینی بھی بحیثیت رمال بہت مشہور ہیں۔ شاہ تراب امین الدین اعلیٰ کو ''لوح رمل'' اور اپنے مرشد پیر پاشاہ حسینی کو ''صاحب عمل'' کہہ کر یاد کرتے ہیں۔

اُس کے بعد ''سبب تصنیف'' کی سرخی ہے جس میں شاہ تراب نے ''گنج الاسرار'' مرتب کرنے کی وجہ بتائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میرے مرشد نے مجھے طلب کیا اور کہا کہ اے تراب تونے مجھ سے جو علم رمل سیکھا ہے اُسے ایک رسالے کی شکل دے کر منظرعام پر لے آ اور اُس کا نام ''گنج الاسرار'' رکھ تا کہ یہ رسالہ صحیح نام سے موسوم ہو:—

مجھے اک روز حضرت شاہ بینام
قلندر پاک باز و نیک انجام

شہ مسند نشین بزم ارشاد
میان خلق است از خلق آزاد
کہے من اے تراب گنج الاسرار
رمل جو کچھ کہ سیکھا توں نے اک بار
رسالہ اک بنا اس علم کا توں
کہ توں ہے معدن اسرار ہے چوں
امین الدین اعلیٰ کے خاندان میں
خلیفہ توں ہے نادر اس جہاں میں
بھی اِس کا نام رکھ توگنج الاسرار
گویا سچ نام سوں ہووے گا اظہار
بحسب حکم آں شاہ نکو کار
رکھیا نام رسالہ گنج الاسرار

سبب تصنیف بیان کرنے کے بعد شاہ تراب نے مختلف اشکال کی وضاحت کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اوصاف اشکال بھی بیان کئے ہیں اور چھوٹی چھوٹی سرخیوں کے تحت مختصراً اشکال کی اہمیت بھی بیان کردی ہے۔ اِن میں سے چند سرخیاں حسب ذیل ہیں:—

نکتہ، ذایچہ قوس، تشریح تصویر، تحریر ذایچہ، احکام لحیان، احکام جماعت، ثامانی فرح، فکرمعارج، وصف سمائل، نصرت الداخل اور حمرۂ کمرہ وغیرہ وغیرہ۔

اشکال کی تشریح کرنے کے بعد شاہ تراب سولہا حکایتیں بیان کرتے ہیں۔ اِن تمام حکایتوں میں علم رمل کے زور پر معلوم کئے ہوئے

واقعات اور مختلف زائچوں کی صداقت بیان کی گئی ہے - ان حکایات مین رمل کے نکات بھی سمجھائے گئے ہیں - ہر حکایت میں اشعار کی تعداد مختلف ہے لیکن اس کا التزام رکھا گیا ہے کہ ہر حکایت کے آخری شعر میں تخلص لایا جائے اور اس کے بعد دوسری حکایت کی ابتداء کی جائے - ہر حکایت میں تعارف کے چند اشعار کے بعد شاہ تراب اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں -

شاہ تراب نے اکثر حکایتیں بیان کرتے ہوئے درمیان میں مناظر، موسموں اور مقامات کے بڑے خوبصورت مرقعے پیش کئے ہیں اور بعض حکایتوں میں سراپا نگاری کے بھی اچھے نمونے مل جاتے ہیں مثلاً «حکایت دوازدھم» میں یہ سراپا ملاحظہ ہو :—

نکو لہجہ بڑی آنکھیں خماری
ہووے نرگس کوں بیماری دوباری
دیگر غنچہ دہان و زرد رو تھا
دیکھو پیوستہ ابرو خوب خو تھا
سفید جامہ تھا نقرہ باف بر مین
زری مندیل باندیا تھا اُو سر میں
مرصع کا چغا تھا کج کلاہ کا
کمر بستہ نہایت بے بہا تھا

سولھویں یعنی آخری حکایت میں شاہ تراب نے اپنی غیب دانی کا بھی ایک واقعہ بیان کیا ہے - اس سولھویں حکایت کے بعد سولھا مختلف چھوٹے چھوٹے حصے ہیں اور ہر حصے کو شاہ تراب «کیفیت شاخ اول»

« کیفیت شاخ دوم » اور « کیفیت شاخ سوم » کی سرخیوں سے مزین کرتے ہیں « شاخون » کے « خواص » بیان کرنے سے پہلے شاہ تراب نے یہ دو شعر بطور تمہید لکھے ہیں :—

سنیا ہوں چین کے درمیان شجر ہے
کہ سولہ شاخ سین اُو بارور ہے
خواص شاخہا کرتا ہوں ظاہر
سنو دھر گوش گلچین ظواہر

سولھا شاخوں کا بیان ختم ہونے کے بعد سولھا گلوں کا بیان ہے - ہر حصے کو « گل » کی سرخی دی گئی ہے - سولھویں حکایت کو ختم کرنے کے بعد دائرے کی خصوصیات کی توضیح کی گئی ہے اور بعض زائچوں کی فوری تاثیر اور ان کی حیرت انگیز صداقت کا بیان ملتا ہے -

« گنج الاسرار » میں شاہ تراب کہتے ہیں کہ اُنھوں نے شاہ دانیال سے بھی علم رمل حاصل تھا - (اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) اور اس کے علاوہ خود ان کے مرشد پیر پاشاہ حسینی سے بھی شاہ تراب نے استفادہ کیا تھا -

« گنج الاسرار » کا سنہ تصنیف شاہ تراب سنہ ۱۱۷۹ ھ بتاتے ہیں - « گنج الاسرار ترابی » کے حروف سے یہ اعداد نکلتے ہیں :—

خرد تاریخ نظم انتخابی
بگفتا گنج الاسرار ترابی

«گنج الاسرار» کے آخر میں شاہ تراب نے دعا کی ہے کہ اُن کے بیٹے غلام مرتضیٰ کو «ادراک» عطا ہو اور وہ علم حاصل کرکے اپنی دانشمندی کے نور سے دنیا کو روشن کردے۔ اختتام پر شاہ تراب یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ «گنج الاسرار» کو خدا لازوال شہرت عطا کرے۔

کلام تازہ ام را تازہ داری
الٰہی تا بود چرخ زنگاری

اسٹیٹ لائبریری کے اس مخطوطے کے کاتب سید حسین علی ہیں جنہوں نے دوسری ذی الحجہ بروز جمعہ سنہ ۱۹۳ ھ میں «گنج الاسرار» کی کتابت ختم کی ہے۔

«گنج الاسرار» کا انداز بیان شاہ تراب کی دوسری تصانیف کی طرح سلیس رواں اور بے ساختہ ہے۔ «گلزار وحدت» کی طرح «گنج الاسرار» میں بھی شاہ تراب نے بعض دلکش سراپے پیش کئے ہیں حسب ذیل سراپا ملاحظہ ہو جس میں استعارے کا حسن بھی گھُل گیا ہے۔

الف قامت اُو بسم اللہ میں پنہاں
غلامی خط دیا سرو گلستان
ہلال اس طاق ابرو کا مجاور
دیگر خورشید گرو ہے بجاور
اگر دیکھے اُو آئینے میں صورت
ہوئے گھُل آب آئینہ میں ز حیرت

قصہ مہ جبین و ملا یا مثنوی تراب بزبان دکھنی؟

اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں اس مثنوی کا ایک نسخہ موجود ہے[1] اور دوسرا نسخہ حیدرآباد کے ایک کتب فروش علیم الدین صاحب کے یہاں مل سکتا ہے۔ اور تیسرا کتب خانہ سالار جنگ کا مخزونہ ہے۔ یہ مثنوی چھ سو اٹھائیس (٦٢٨) اشعار پر مشتمل ہے۔ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں اس مثنوی کا جو نسخہ موجود ہے اُس کا سنہ کتابت ۲۵۔ رجب ۱۲۵۵ ھ ہے اور کاتب ابراہیم علی خاں ہیں۔ اِن دونوں نسخوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ سرخیوں یا اشعار میں بھی فرق نہیں ہے لیکن مثنوی کا نام بدلا ہوا ملتا ہے اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد کے نسخے پر اس کا نام «مثنوی تراب بزبان دکھنی» لکھا ہوا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی، «کتب خانہ آصفیہ کی وضاحتی فہرست» میں اس کے متعلق لکھتے ہیں «اس مثنوی کا کوئی نام نہ ملا۔ مضمون کے لحاظ سے میں نے «عشق صادق» نام رکھا ہے»۔ علیم الدین صاحب کے نسخے پر «مثنوی مہ جبین و ملّا» تحریر کیاہوا ملتا ہے۔ مثنوی کا یہ نام زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس مثنوی کی ہیروین کو شاہ تراب اکثر جگہ مہ جبین ہی کہتے ہیں یعنی مہ جبین کی ترکیب اسم خاص کے طور پر بھی مستعمل ہوئی ہے۔ اس مثنوی کاجو تیسرا نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے اس پر کوئی نام لکھا ہوا نہیں ملتا۔ مخطوطات کی فہرست میں نصیر الدین ہاشمی نے اس کا نام «قصہ ملا» رکھ لیا ہے۔ اس کی سائز ۹ x ٦ ہے۔ یہ دیسی کاغذ پر نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ اور ہر صفحے پر تیرہ سطریں تحریر کی گئی ہیں۔ مخطوطے کے آخر میں سنہ کتابت یا کاتب کا نام موجود نہیں صرف «خاتمہ ماہ صفر بتاریخ نہم بروز سہ شنبہ وقت عصر مقام بنگلور تمام شد۔» لکھا ہوا ملتا ہے۔

۱۔ مثنوی تراب بزبان دکھنی۔ شاملات ۷۷۔

یہ مثنوی پندرہ حصوں پر مشتمل ہے ۔ سب سے پہلے حمد ہے اس کے بعد نعت اور پھر صحابہ اکرام کی منقبت ہے ۔ اس کے بعد حضرت علی کی منقبت کے اشعار الگ لکھے گئے ہیں ۔ « در نعت مرشد گوید » کی سرخی کے تحت تیرہ اشعار لکھے گئے ہیں جن میں شاہ تراب نے اپنے مرشد پیر پاشاہ حسینی اور اُن کے ابا و اجداد کا ذکر کیا ہے کہ یہ سب بزرگ صاحب کشف اور صاحب حال صوفی گزرے ہیں ۔ تراب کی اس مثنوی میں بڑا رس ، حسن اور رنگینی ہے یہاں اُنھوں نے اپنے مرشد کی مدح میں بھی اسی انداز کو برقرار رکھتے ہوئے بڑے پُر کیف اور دلنشیں اشعار لکھے ہیں ۔ یوں تو شاہ تراب نے اپنی ہر تصنیف میں اپنے مرشد پیر پاشاہ حسینی کی مدح کی ہے لیکن « مثنوی مہ جبین و ملا » کی منقبت کا طرز زیادہ موثر اور رسیلا ہے ۔ تراب اپنے مرشد کو « ثانی حیدر » بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ صرف میرے مرشد ہی نہیں میرے دلربا محبوب بھی ہیں ۔ اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں :—

دلی افکار کا برحق ہے مرہم
جسے دیکھت بسر جاتا ہے سب غم
پیارا ہے میرا او چلبلا لال
ہوا قربان دیکھ اُس لال کی چال
دیوانہ اُو میرا مجہ کوں کیا ہے
اُو ایسا صاحب کشف اولیاء ہے

چوتھی سرخی « در نعت عاشق و معشوق گوید » میں چھتیس (۳۶) شعر

ملتے ہیں ۔ ان اشعار میں شاہ تراب عشق کی اہمیت بتاتے ہوئے اس کے ہمہ گیر اور ہر جہتی اثر کی تعریف کرتے ہیں :—

لگن ہے یا ستم ہے یا بلا ہے
جدھر دیکھو تو اُس کا غلغلا ہے
ہر اک کوں دام میں ڈالا ہے لا کر
رکھیا ہے عاشقاں کوں مبتلا کر
پیا ہے عشق کا غوغا جہاں میں
اہے شور لگن کون و مکاں میں

ایک اور سرخی قائم کرنے کے بعد شاہ تراب اصل قصے کی ابتداء کرتے ہیں، کہ گلشن آباد (یہ مقام سرنگا پٹم سے کچھ فاصلے پر واقع ہے یہاں جرنل ہارس اور ٹیپو سلطان کا مقابلہ ہوا تھا[1]) میں ایک پارسا عورت رہتی تھی ۔ یہ عورت بڑی حسین و جمیل تھی اور اس کے حسن کا گلشن آباد کی تمام عورتوں میں چرچا تھا ۔ شاہ تراب نے مہ جبین کا سراپا بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے ۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے :—

و لیکن سرو قد نازک بدن تھی
سکل خوباں منے جادو نین تھی
کمان ابرو کہ ہے خنجر پلک تیر
ادا سیف دو دھارا زلف زنجیر
سراپا نازنین دلدار دلبر
بلا تھی ظلم تھا ظالم ستمگر

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ سرنگاپٹم ۔ صفحہ ۷۵ ۔ مخطوطہ ق ر ۳۷ ۔ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مہ جبین کا شوہر کسی کام سے پردیس چلا گیا اور کئی دن تک اُس کے پاس سے خریت کا کوئی خط وصول نہیں ہوا۔ مہ جبین بیقرار ہوگئی اور اُس نے سوچا کہ شوہر کو خط لکھ کر سارا حال دریافت کرنا چاہئیے کہ وہ اب تک وطن واپس کیوں نہیں آیا۔ اس کام کے لئے مہ جبین نے شہر کے مُلّا کا انتخاب کیا جو بڑا عالم و فاضل مشہور تھا۔ مہ جبین نے اپنی ماما کو ملا کے گھر بھیجا اور اُس سے درخواست کی کہ وہ اس کے شوہر کو خط لکھ کر ایک کارِ خیر میں حصہ لے۔ ملاّ راضی ہوگیا اور دوات اور قلم لے کر مہ جبین کے گھر آیا۔ پردہ کروایا گیا اور مہ جبین خط کا مضمون قلمبند کروانے لگی۔ مُلّا خط لکھ رہا تھا کہ یکایک دونوں کی نظریں چار ہوگئیں اور مُلّا مہ جبین کے مسحور کُن حسن کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس واقعے کا تراب نے اس طرح ذکر کیا ہے :—

پوچھا لے ہات میں مُلّا نے خامہ
حقیقت کیا لکھوں سو بول ماما
دیکھا تو اُو پری اُو جھانکق تھی
غرور حسن میں صد مالئی تھی
ہوئی اک بار جو چک چار آنکھیں
رہی حیرت سوں ہو لاچار انکھیں
یکایک دیکھ دیوانا ہوا تب
لگا کہنے کہ بولو کیا لکھوں اب
کہی وہ نازنین سب اپنا احوال
نہ سمجھی اُو ہوا سو دیکھ بےحال

مُلّا "کیا لکھوں" کہتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ اب وہ دیوانہ وار گلیوں میں چاک گریباں کئے پھرتا تھا اور ہر راہ گیر سے سوال کرتا تھا "کیا لکھوں ؟"۔ اسی حالت جنون میں ایک طویل عرصہ گذر گیا۔ مُلّا کے شاگردوں نے اس کو بہت سمجھایا اور اپی شہرت اورعزت و وقار کا واسطہ دیا لیکن مُلّا تو دیوانہ ہوچکا تھا۔ اسے اب نیک نامی اور ننگ و ناموس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

چند دنوں کے بعد مہ جبین کا شوہر پردیس سے بخیر و عافیت واپس آگیا اور دونوں ہنسی خوشی اور عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ ایک دن مہ جبین اور اُس کا شوہر دریا کی سیر کو نکلے۔ یکایک مُلّا بھی عالم وارفتگی میں اُدھر آنکلا۔ جب مُلّا نے مہ جبین کو دوبارہ دیکھا تو آتش عشق اور بھڑک اُٹھی۔ مہ جبین کے شوہر نے ایک چال چلی۔ اُس نے مہ جبین کی جوتی دریا کی خطرناک لہروں میں ڈال دی اور مُلّا سے کہا کہ اگر تو مہ جبین کے پاؤں کو کانٹوں سے بچانا چاہتا ہے اور تجھے اُس کی خاطر منظور ہے تو جوتی لے آ۔ مُلّا دریا میں کود پڑا اور وہیں غرق ہوگیا۔ اس واقعے سے مہ جبین اتنی متاثر ہوتی ہے کہ خود بھی دریا میں چھلانگ لگا کر غرق ہو جاتی ہے۔

شاہ تراب نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے سات مختلف عنوانات قائم کئے ہیں قصے کے درمیان میں غزل کے اشعار بھی لکھے ہیں۔ مثنوی کے آخر میں پندرھویں سرخی "در بیان عشق حقیقی گوید" ہے جس میں شاہ تراب نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عشق حقیقی ہی زندگی کے تمام دکھوں کا مداوا ہے۔ خدا کے عشق میں جینا اور خدا کے عشق میں مرنا عین ہوش مندی اور عاقبت اندیشی ہے۔ سراج اورنگ آبادی بھی اپنی مثنوی "بوستان خیال" (۱۱۶۰ھ) کے آخر میں اسی طرح مجازی محبت کی ناپائداری اور بے مائیگی بتاتے ہوئے حقیقی محبت کی لازوال اور ابدی قدروں کی طرف قاری کی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔

شاہ تراب کی اس مثنوی کا میر کی « دریائے عشق »، مقیمی کی « چندر بدن و مہیار »، سید محمد والہ کی « طالب و موہنی » اور آئمہ کی « گلشن مہو شان » سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تینوں میں قصے کا انجام تقریباً مشترک ہے یعنی کہانی اس طرح ختم ہوتی ہے کہ طالب اور مطلوب دونوں دریا میں غرق ہوکر اپنی جان دے دیتے ہیں۔

مثنوی « مہ جبین و ملا » میں شاہ تراب عشق کے حیرت انگیز کارناموں اور عشق کی ہنگامہ آرائیوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں :—

لگن ہے یا ستم ہے یا بلا ہے
جدھر دیکھو تو اُس کا غلغلا ہے
لگن لاکھوں کا گھر ویراں کیا ہے
ہر اک دل کوں لگن حیران کیا ہے
لگن کس کوں نہیں چھوڑا عزیزاں
توٹے دل کو لگن جوڑا عزیزاں
دیسا ہے عشق سوں کُن کا نظارا
ہوا ہے عشق سوں سارا پسارا
ہوا ہے عشق سوں یہ گرم بازار
چڑھا ہے عشق سوں منصور اپی دار

محبت کے بارے میں شاہ تراب کے خیالات کا عکس اور اس کی گونج میر کی « دریائے عشق » اور « شعلہ شوق » میں سنائی دیتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے :—

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
کام میں عشق اپنے یکا ہے
ہاں یہ نیرنگ ساز یکا ہے

اسی طرح « شعلہ شوق » میں میر عشق کے بارے میں کہتے ہیں :—

محبت مسبب محبت سبب
محبت سے ہوتے ہیں کار عجب
محبت کی ہیں کار پردازیاں
کہ عاشق سے ہوتی ہیں جانبازیاں
محبت لگاتی ہے پانی میں آگ
محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ
زمانے میں ایسا نہیں تازہ کار
غرض ہے یہ اعجوبہ روزگار

مثنوی « مہ جبین و ملا » کے سنہ تصنیف کا ٹھیک طور پر علم نہیں ہوسکا۔ اسٹیٹ لائبریری کے مخطوطے کا نام جو « مثنوی تراب بزبان دکھنی » لکھا ہے اس سے تاریخ تصنیف اس طرح نکل سکتی ہے کہ اگر « مثنوی تراب بزبان » کے اعداد میں سے « دکھنی » کے اُنے اسی (۸۹) نکال دئیے جائیں تو ۱۱۸۲ھ حاصل ہوتا ہے۔ یہ تاریخ صحیح ہوسکتی ہے کیونکہ شاہ تراب کی تصانیف کا سلسلہ ۱۱۸۷ھ تک جاری تھا جیسا کہ « آئینہ کثرت » کی تاریخ تصنیف سے معلوم ہوتا ہے لیکن یقینی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ یہی صحیح سنہ تصنیف ہے۔

«مثنوی مہ جبین و ملّا» کا ایک مختصر سا خاکہ ذیل مین پیش کیا جاتا ہے :-

قلم وصف صنم کا جب اُو چایا   لگن کا جگ منے جب غل مچایا
ترا اب کر رقم رنگین بیان اُو   سنے تا خلق سارا داستان اُو
سنا ہوں گلشن آباد یک نگر تھا   وہاں یک مہ جبین گل رُو کا گھر تھا
نہایت حسن مین اوتار تھی اُو   گل بیخار میں خونخوار تھی اُو
اتھی یو پاک دامن پارسا نار   نماز پنچ وقتا ہور ذکر چار
خصم راضی راضامند سب قبیلہ   نہ جانے عورتوں کا مکر حیلہ
جہاں آواز نامحرم کا آوے   وہ توبہ کر وہاں سوں اُٹھی جاوے
گیاں تھا نوکری کو اُس کا خاوند   اکیلی گھر میں تھی دلدار دلبند
ہوے کئی دن جو کوئی پاتر نہ آیا   خبر بھی خیریت کی کوئی نہ لایا
پڑا اوس فکر میں اُو گلبدن نار   کہیں مارے گیا یا ہے اُو بیمار
کہی بھی دائی کوں اُو یوں بلا کر   بلاؤ ملّا کوں دائی جلد جا کر
سنی یو بات سو دائی چلی بہار   بچاری نار کوں کرنے گرفتار
جہاں پھرتی تھی گھر کی بہوت سی مل   وہان بیٹھا تھا ملان ایک فاضل
لے تسبیح ہات میں کرتا ذکر تھا   لگن کے درد سوں اُو بیخبر تھا
کری تسلیم جا کر اُس کوں دائی   حقیقت بول خط لکھنے بولائی
سنا دائی سوں ملا نے جو یو بات   چلا لیکر قلم داوات سنگات
خبر بی بی کوں دی آیا ہے ملان   کہی بی بی اُو سے گھر میں بُلایان
اپی بیٹھی سندر پردے کے اندر   بولا ملان کوں اپنے گھر کے اندر
پوچھا لے ہات میں ملان نے خامہ   حقیقت کیا لکھوں سو بول ماما
دیکھا تو اُو پری رو جھانکتی تھی   غرور حسن میں جیون مدمتی تھی

ہوئی اک بار جو چک چار دونوں   رہے حیرت سوں ہو لاچار دونوں
یکایک دیکھ دیوانہ ہوا تب   لگا کہنے کہ بولو کیا لکھوں اب
کہی اُو نازنین سب اپنا احوال   نہ سمجھی اُو ہوا سو دیکھ بےحال
دیکھی تو کچھ بھی اُو پڑتا نہ لکھتا   چپ چپ کیا لکھوں کہہ کر بلکتا
کہی تب دائی میاں تم بہار جاؤ   نکو چپ «کیا لکھوں» کا غل مچاؤ
پڑیا عالم میں اس کا «کیا لکھوں» نام   رہا ہو گرد خاک کونے گلفام
ہوا سب شہر میں بھی یوں پکارا   کہ دیوانہ ہوا ملان بچارا
کئی دن بعد آیا گھر کو شوہر   لگا مسی و کاجل پہن زیور
گلے دونوں لگے ہور خوب رونے   یہاں اگ رونے جو کپڑے بھگونے
کئی دن گے گذر ایک دن قضارا   گلی میں چھوکروں کا تھا پکارا
پکارا سن کے نکلا بہار گھر سوں   دیکھا دیوانہ یک آتا ادھر سوں
پوچھا یہ کون ہے دیوانہ یارو   نہیں پتھر اُسے ناحق تم مارو
کہے تیری یہ جورو کا ہے عاشق   نکو مارو کہا تو جس کو ناحق
سنیا سو گھر میں جا شمشیر کھینچا   پکڑ کر ہاتھ اُس دلبر کا اینچا
سنیا سب بات اُو خاطر میں لایا   غصہ سب دل سیتی اپنا گنوایا
کیا پھر مصلحت یوں ناز سیتی   لگا اپنے گلے پھر پیار سیتی
طرف ندی کے لے دہن کو چلا اُو   سنیا کیں عشق نے جو غلغلا اُو
خبر اُس عاشق صادق کو بولا   کہ جاتا ہے ندی تیرا بمولا
کہا تب دیکھ کر اے مرد عاقل   کہ تو بھی چل ندی معشوق سوں مل
اٹھا بولی تلک سندر کا شوہر   دغا اُو بر جو بیٹھا تھا نظر کر
لیا سو بات میں اُو دہن کی پاپوش   سٹیا ندی میں کر اُس کو فراموش
کہا بھی اوس شہید ناز کے سات   کہ تم عاشق کلاتے ہو عجب بات

چلے گی ننگے پاؤں آج سندر   چھبیں گے اس کے تلوے پیچ کنکر
یکایک اُو شہید ناز خوبان   دیا ندی منے جا کود کر جان
دیکھت دہن کا کلیجہ بھڑ بھڑایا   پرت نے آکو اس کوں گڑ بڑایا
کہی پھر اُو خصم سوں اب چلو گھر   ہمارا کام کیا ہے اس ندی پر
اُٹھی کر بول کو واں سوں بہانہ   اُودھر گی اُو جدھر ڈوبا دیوانہ
خصم دیکھا تلک کو دی ستمگر   لگا ہونے کوں دیکھت خاک برسر
گریباں چاک کر لاخاک تن کوں   لوٹا کر سب گیا مٹ کر وطن کوں

شاہ تراب کی اس مثنوی کا قصہ نہ صرف « چندر بدن و مہیار » ، « دریائے عشق » اور « طالب و موہنی » سے مماثلت رکھتا ہے بلکہ مہجور کی داستان « نورتن » کے پہلے باب میں بھی یہ قصہ موجود ہے اس باب کا عنوان « عاشقوں اور معشوقوں کے افسانوں میں » ہے -

شاہ تراب نے غالباً یہ پلاٹ فارسی مثنوی « قضاء و قدر » سے لیا تھا - یہ مثنوی دکن میں کافی مقبول ہوچکی تھی - اس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ اورنگ زیب کے صوبدار شائستہ خاں کے کسی ملازم کی داستان عشق ہے[1]

میر کی مثنوی « دریائے عشق » کا سنہ تصنیف چونکہ نامعلوم ہے اس لئے یہ بتانا آسان نہیں کہ آیا میر کی « دریائے عشق » پہلے لکھی گی تھی یا شاہ تراب کی مثنوی ؟- پروفیسر سید محمد مصنف « مثنویات میر » کے اس بیان کو پیش نظر رکھتے ہوے کہ « میر صاحب سے پہلے دکن کے شعراء نے بہت سی مثنویاں لکھی تھیں اور اُن میں سے بعض میر صاحب

---

۱ - ملاحظہ ہو - رسالہ اُردو - اپریل سنہ ۱۹۵۱ع -

کی نظر سے گذر چکی تھیں » ، یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاہ تراب کی مثنوی کو اولیت حاصل ہے -

نظم گیان سروپ

شاہ تراب کی نظم « گیان سروپ » ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد میں موجود ہے[1] - اس کے علاوہ اسٹیٹ لائبریری میں جو « من سمجھاون » کا نسخہ ہے اس کے حاشیے پر بھی اس کے چند اشعار لکھے ہوئے ملتے ہیں - لیکن یہ مکمل نہیں ہے - انجمن ترقی اُردو علی گڈھ کے کتب خانے میں بھی اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے - « گیان سروپ » ترکیب بند کی شکل میں لکھی گی ہے آخری دو مصرعے ہر بند میں دھرائے گئے ہیں - یہ دونوں مصرعے شاہ تراب کے مرشد پیر پاشاہ حسینی سے متعلق ہیں - « گیان سروپ » میں اٹھاون (۵۸) بند ہیں اور اشعار کی تعداد دوسو بیس (۲۲۰) ہے - « گیان سروپ » کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے :—

اے پنچ بھوت کا بستارا ہے   آب آتش خاک ہور بارا ہے
چت من بدھ آہنکارا ہے   سب روپ کو سنگھارا ہے
پیو سب میں سب سوں نیارا ہے   جیوں روشن جگمگ تارا ہے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اُسی بلہارا ہے

شاہ تراب نے یوں تو اپنی تمام تخلیقات میں ہندی الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن « گیان سروپ » میں ہندی الفاظ کی بھتات ہے - غالباً اپنی نظم کی اسی

---

۱ - مخطوطہ نمبر ۷۷۳ -

خصوصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاہ تراب نے "گیان سروپ" میں ایک جگہ کہا تھا :—

گن تن ہور من کا کہیا تراب
ہے ہندی بھا کا صحیح کتاب

"گیان سروپ" میں شاہ تراب نے اپنی دلچسپی کے مخصوص موضوعات پر روشنی ڈالی ہے - ہندو دیو مالا اور ہندو مت کے طرف اشارے جابجا نظر آتے ہیں اور شاہ تراب نے ان کے ذریعے سے اسلامی عقائد کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے - شاہ تراب نے اڑتالیسویں (۴۸) اور اُنچاسویں (۴۹) بند میں اپنے مرشد اور اُن کے بزرگان طریقت کا ذکر کیا ہے - "گیان سروپ" کے آخری بندوں میں اُنہوں نے اپنے وطن ترنامل اور وہاں کے مشہور مندر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے -

"گیان سروپ" کے آخر میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا ہے - صرف "روز شنبہ ماہ جمادی الثانی بست و پنج ۲۵ - در حیدرآباد سنہ ۱۱۲۱ ھ" لکھ دیا ہے - راقمۃ الحروف کو شاہ تراب کی جو تصانیف دستیاب ہوئی ہیں اُن میں سب سے قدیم "گیان سروپ" ہی ہے - اپنی اس ابتدائی تصنیف سے بھی شاہ تراب نہ صرف مطمئن ہیں بلکہ وہ اُسے قابل تحسین بھی سمجھتے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں :—

یہ گیانؔ سروپ جو بولا ہوں
سب موتی اس میں رولا ہوں
جیوں چاول کنکر ڈھولا ہوں
ہور بھید ابھید سب کھولا ہوں

"گیان سروپ" کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظم میں بڑی بیساختگی، آمد اور روانی ہے - چھوٹی بحر میں "گیان سروپ" کے اشعار بڑے سبک اور مترنم معلوم ہوتے ہیں - زبان کی سادگی ، اسلوب کی بے تکلفی و بیساختگی اور روانی ملاحظہ ہو :—

جو غفلت میں دن کھوتا جی
پھل پات بدی کے بوتا جی
نہیں مایا سوں چت دھوتا جی
پڑ مستی میں کیوں کھوتا جی
میں جس کے کارن روتا جی
اُو امین علی کا پوتا جی
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اُسی بلہارا ہے

"گیان سروپ" کے دو بند پیش ہیں اُن کے مطالعے سے شاہ تراب کے انداز بیان اور خود اس نظم کی اُٹھان کا اندازہ ہوسکتا ہے :—

من کالے بن کا رہواسی   تن مہیش کنول کا سکھواسی
جیون جمنا گنگا ہور کاسی   مل تروبنی کے ہیں باسی
بجھ بتلا صفات دسواسی   گرُ رکھیا اپنا سنیاسی
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اُسی بلہارا ہے

پیر باشاہ صاحب اولیاء   میں اُن سے حال ہور لیا
وہ ہادی اپنا کرم کیا   من بھاتا میرا وہی دیا
میں درس کا جو شراب پیا   تن من کا جھگڑا چکا دیا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اُسی بلہارا ہے

غزلیں

شاہ تراب نے مثنوی اور نظم کے علاوہ غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے - شاہ تراب کی غزلیں چھوٹی اور مترنم بحروں میں ہوتی ہیں - غزل میں بھی وہ اپنی دوسری شعری تخلیقات کی طرح معرفت اور تصوف کے نکات پیش کرتے ہیں اور ان کا روئے سخن محبوب حقیقی کی طرف ہوتا ہے - مثنوی ‹‹ مہ جبین و مسلا ›› میں قصے کے درمیان میں شاہ تراب نے غزل کے اشعار بھی لکھے ہیں - ادارۂ ادبیات اُردو میں عبدالقادر بیدل کے دیوان پر بھی شاہ تراب کی دو تین غزلیں لکھی ہوئی ملتی ہیں[1] - ادارۂ ادبیات اُردو کے ایک دوسرے مخطوطے میں جس میں ‹‹ من سمجھاون ›› لکھی گئی ہے ایک اور غزل کے چھ شعر لکھے ہوے ملتے ہیں[2] - شاہ تراب کی ایک غزل کے چند شعر بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں :—

صورت پیر جان صورت رب
در حقیقت ہے اوچہ صورت سب
ہر طرف جب ادھر اُدھو ہیگا
ہم جدا اس ستی کہو ہیں کب
تب کیا دعوٰی انا الحق اُو
ہر وجود عرض دسیا نہیں جب
جو کریگا عدم موجود کوں ایک
اوہی پاوے گا سب مرا مطالب
دیر و کعبہ میں جب وہی پایا
تب ہے کیا قید مذہب و مشرب

۱ - ملاحظہ ہو - مخطوطہ نمبر ۲۸۱ - عنصر دوم - ادارۂ ادبیات اُردو - حیدرآباد -
۲ - مخطوطہ نمبر ۷۷۴

حبُ حیدر سوں یوں صفا کر دل
جیوں صفائی میں آرسی حلب
بھول مت اے تراب نام علی
جان آکر رہے اگر بر لب

شاہ تراب کے مرشد پیر پاشاہ حسینی نے غزلوں کا ایک دیوان چھوڑا ہے جو اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے[1] - اس کا مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ تراب نے غزل گوئی میں اپنے مرشد اور اُستاد پیر پاشاہ حسینی کا تتبع کیا ہے - شاہ تراب کی غزلوں میں پیر پاشاہ حسینی کے اشعار کی طرح دردمندی ، خستگی اور سلاست پائی جاتی ہے - شاہ تراب نے اپنی تصانیف میں اکثر جگہ اپنے مرشد کی غزلوں کے اشعار نقل کئے ہیں - وہ اُنہیں بطور نمونہ ، مثالی شاعری کے کارنامے کے طور پر پیش کرتے ہیں - اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ تراب پیر پاشاہ حسینی کے کلام سے کافی متاثر تھے - شاہ تراب کی غزلوں میں حسینی کے کلام کی سی گداختگی ، گھلاوٹ اور بےساختگی ہونے کے باوجود حسینی کی سی شادابی رس اور رنگینی موجود نہیں ہے - حسینی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن کے مطالعے سے ہم شاہ تراب اور پیر پاشاہ حسینی کی خصوصیات کلام کا مقابلہ کرسکتے ہیں :—

دلبر چمن میں ناز سوں آیا ہلو ہلو
ہر غنچہ لب کوں خوب ہنسایا ہلو ہلو

۱ - دیوان حسینی - اسٹیٹ لائبریری - حیدرآباد -

پر ذرہ بیخودی سوں «انا شمس» کہہ سکیں
خورشید اُو جو چھپ سوں دکھایا ہلو ہلو

وہ یار بادہ فام سمجھ مستحق وصل
کچھ دان دینے مج کوں بلایا ہلو ہلو

مج دل تے دفع کرنے تپش ہجر کوں کریا
آ سینہ مج سوں سینہ لگایا ہلو ہلو

دینے کوں وصل آج صنم مہرباں ہو کو
کیا لب میں لب ادا سوں ملایا ہلو ہلو

اس نازنیں نے آج پلا بادۂ وصال
کر محو دل کوں خوب چھکایا ہلو ہلو

دیکھ استراحتی میں حسینی کو خود بخود
اُو یار آ آپیچ جگایا ہلو ہلو

شاہ تراب کی غزلوں میں بڑی سلاست ، بیساختگی اور آمد نظر آتی ہے - ہندی شاعری کی طرح عورت کی زبان میں جذبات عشق ادا کرنے کا یہ انداز ملاحظہ ہو :—

رین کوں لے ہات دل کا شمع ہو کارتی ہوں جلی جلی جی
سجن سجیلا نظر میں کر کر ہر اک کوں پوچھی گلی گلی جی

برت کا بھڑکا لگا کے دھڑکا تپا تو زاری پولا سٹیا ہے
اگن کی سوساں کوں سوس نہ سک ہو کارتی ہوں جلی جلی جی

چمن چمن سب کھلے سنی ہوں خبر نہیں ہے پیا گیا ہے
پیا پیا کہہ پھری دیوانی بھنور کے نمنے کلی کلی جی

ہوا پکارا یہی کہ جان میں پتھر سے تن کوں پسیا دیوانی
برہا میں پیو کی برہانی ہو کر چکی میں غم کی دلی دلی جی

کروں میں فریاد کس تے جاجو کوی جلے دل کا داد دیوے
غزل تو میرا پکارتا ہے جواب خاطر ولی ولی جی

اتا اشارت سوں بولتے ہیں سکل محبان تراب کے نین
قبر سوں اپنے اوٹھا اُو کہتا بہ روز محشر علی علی جی[1]

شاہ تراب کی ایک اور غزل ہمدست ہوتی ہے جو «ظہور کلی» کے آخری اوراق کے حاشیہ پر تحریر کی ہوئی ہے - یہ غزل مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے جیسا کہ حسب ذیل اشعار سے اندازہ ہوسکتا ہے :—

اُس عشق پاکباز کوں جب نہ اثر ہوا
تب نور ذات جوش ہو از گنج بر ہوا

پس نور ذات نام رکھیا احمدی صفات
سو وصف کی زباں ستی گُنگا اچھر ہوا

تب احمدی صفات سوں مشغول ہو رہا
اُس مشغولی سبب منے آدم پسر ہوا

آدم پسر لگے کہ لگے یا پدر اُسے
اُس راز کے ہنر میں تو آدم پدر ہوا

---

۱ - کنز المومنین - از عابد شاہ - فقہ حنفی - نمبر ۱۰۰۲ - اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد -

کیونکر کو پوچھتا تو سمج دیکھ اس روش
آدم کد ہین نے اُسے قدر بشر ہوا
گرنیں تو نام اُس کا لیون پار کوئی نہ تھا
مخفی سون اس سبب ستی ظاہر جہو ہوا
اس خاک کے پنجر کون چڑیا اُس بدل شرف
اُس شاہ کے گمت کو جد پان تن یو گھر ہوا
اس گھر کی نازکی کے بدل بعد از آن اُو شاہ
حاکم ہوا سو تل منے بھوئیں ہور انبر ہوا
باطن کی روشنی کون بھریا اِس مند پیر میں نور
ظاہر سو نور تے یو سورج ہور چندر ہوا
شاہ جب مند پر میں آ کو بیٹھا تخت جیئو کے
تب اس گل صفا سیتی دل کا صدر ہوا
اے تن اپی نہیں کہ مگر ہے مند پر سروپ
گھر بھی نہیں ہے شاہ کا نور نگر ہوا
اُس عشق کے محل ہو چڑھائی جو سر کو کر
چشمے نین کے کھول سوشہ خوش نظر ہوا
اے حسن کے چمن کون چھپا کر اپچھ آپ
دکھنا ککر کیا سو یکایک بدر ہوا
تب وصف ذات ، ظاہر و باطن اے دو بہت
بستار میں پڑیا سونیا شور و شر ہوا

آئینہ کثرت | یہ شاہ تراب کی غالباً آخری تصنیف ہے اس لئے اس کا ذکر آخر میں کیا گیا ہے - شاہ تراب کی ایک اور مثنوی

« آئینہ کثرت » ہے - جس کا سنہ تصنیف ۱۱۸۷ھ ہے - اس میں شاہ تراب نے اپنے والد اور اپنی اولاد اور خاندان کا بھی ذکر کیا ہے اور اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اِن کے والد کا نام عبداللطیف خان تھا اور یہ کہ ان کا انتقال سنہ ۱۱۱٤ھ میں ہوا تھا - مثنوی « آئینہ کثرت » میں شاہ تراب اپنی لڑکی اور لڑکے کو دادا کے نقش قدم پر چل کر زندگی کو کامیاب بنانے کی ہدایت کرتے ہیں - انجمن ترقی اُردو علی گڈھ کے کتب خانے میں « آئینہ کثرت » کا ایک نسخہ موجود ہے - کتب خانے کے مخطوطات کی جو وضاحتی فہرست رسالہ « اُردو ادب » میں شائع ہوئی ہے اس میں « شاہ تراب کا تخلص حسینی » لکھا ہوا ہے جو درست نہیں ہے - شاہ تراب کا تخلص حسینی نہیں تھا - غالباً یہ غلط فہمی اس لئے بھی ہوئی ہے کہ شاہ تراب اپنی تصنیف میں جگہ جگہ اپنے پیر و مرشد حسینی کا ذکر کرتے ہیں اور ایسے انداز میں مدح کرتے ہیں کہ یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ یہ اشعار کسی حسینی تخلص والے شاعر کی ادبی کاوش ہیں - مثال کے طور پر « من سمجھاون » میں شاہ تراب کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے :—

حسینی کو مہدی ہادی جانو
خدا ہور محمد علی مل کے جانو

اس قسم کے اشعار سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ شاید یہ حسینی کے اشعار ہیں اور شاہ تراب کے تمام ادبی کارناموں میں مرشد کی مدح کا یہی انداز ملتا ہے -

« آئینہ کثرت » ایک طویل مثنوی ہے جس میں ایک ہزار نو سو ساٹھ (۱۹۶۰) اشعار موجود ہیں ۔ اس کے صفحات کی تعداد ایک سو چوبیس (۱۲٤) تک پہنچتی ہے ۔ ہر صفحے پر پندرہ سطریں تحریر کی گئی ہیں اس مخطوطے پر سنہ تصنیف موجود ہے لیکن سنہ کتابت درج نہیں ہے اور نہ ہی کاتب نے اپنا نام تحریر کیا ہے ۔

« آئینہ کثرت » میں شاہ تراب نے حمد و نعت کے بعد تصوف کے مسائل کی تشریحیں کی ہیں ۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شاہ تراب وجوۃ الوجود اور ہمہ اُوست کے نظریہ کے زبردست حامی تھے ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ نظریہ اُن کے متصوفانہ تصورات کا نچوڑ تھا ۔ فلسفہ اور تصوف کے وہ مسائل جو شاہ تراب « ظہور کلی » « گلزار وحدت » اور « من سمجھاون » وغیرہ میں بیان کرچکے ہیں « آئینہ کثرت » میں ایک بار پھر ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ اس مثنوی کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں بہت سی ایسی داخلی شہادتیں موجود ہیں ، جن سے ہمیں شاہ تراب کے خاندان کے بارے میں بعض اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔

حجت الاسلام ؟ اور مجموعہ کلام شاہ تراب ؟

انجمن ترقی اُردو علی گڈھ کے کتب خانے میں « حجت الاسلام » کا ایک نسخہ موجود ہے اور دوسرا نسخہ کتب خانے سالار جنگ حیدرآباد کا مخزونہ ہے ۔ اول الذکر پر مصنف کا نام شاہ تراب تحریر کیا ہوا ملتا ہے ۔ اس میں کل اکیس (۲۱) صفحات ہیں ۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۱۷۱ھ بتایا گیا ہے ۔

« حجت الاسلام » کا جو نسخہ کتب خانے سالار جنگ میں بہدست ہوتا ہے اُس پر مصنف کا نام شاہ عبدالغنی تحریر کیا ہوا ملتا ہے ۔ اس میں پچیس (۲۵) صفحات ہیں اور ہر صفحے پر پندرہ سطریں لکھی گئیں ہیں ۔ اس رسالہ میں سوال و جواب کے طور پر فقہ اور اصول دین سے متعلق بعض عام فہم باتیں بیان کی گئی ہیں ۔ سوال اور جواب کے لفظ سرخی میں تحریر کئے گئے ہیں ۔ « حجت الاسلام » میں سوالات کی کل تعداد پچاس (۵۰) تک پہنچتی ہے ۔ ابتداء میں چھوٹے چھوٹے جوابات اور بعد میں تفصیلی اور طویل جوابات ملتے ہیں ۔ اس کا سائز ۸ × ٤ ½ ہے ۔

اس رسالے کے مصنف شاہ تراب ہی ہیں اس کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ چونکہ کتب خانہ انجمن ترقی اُردو کے نسخے پر مصنف کا نام شاہ تراب لکھا گیا ہے محض اس بناء پر یہ قیاس کرنا کہ یہ شاہ تراب ہی کی تصنیف ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ کتب خانے سالارجنگ کے نسخے پر تو نام بھی بدلا ہوا ملتا ہے ۔ اور دوسرے ہی مصنف کا نام تحریر کیا گیا ہے ۔ اس رسالے میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے ہم یہ ثابت کرسکیں کہ « حجت الاسلام » شاہ تراب ہی کی تصنیف ہے ۔ اس نام کی اور بہت سی شخصیتیں گذری ہیں ۔ (پچھلے صفحات میں اس کا ذکر آچکا ہے) ۔ اِن تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قطعیت کے ساتھ یہ بتانا کہ یہ تصنیف شاہ تراب گنج الاسرار ہی کی ہے ، بہت مشکل ہے ۔ یہی حال « مجموعہ کلام شاہ تراب » کا بھی ہے اس کے بارے میں بھی ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شاہ تراب ہی کی ادبی تخلیق ہے ۔

مختلف نسخے | «من سمجھاون» کے پانچ نسخے حیدرآباد میں موجود ہیں۔ ایک کتب خانہ سالار جنگ میں دوسرا اور تیسرا اسٹیٹ لائبریری اور چوتھا اور پانچواں نسخہ ادارہ ادبیات اُردو میں موجود ہے۔ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں بھی «من سمجھاون» کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ہر مخطوطے میں بندوں اور اشعار کی تعداد مختلف ہے۔ بعض نسخوں میں جو بند موجود ہیں وہ دوسرے نسخوں میں موجود نہیں ہیں اسی طرح بعض اشعار کے الفاظ اور مصرعوں کی ترتیب مے بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

مخطوطہ (الف) | «من سمجھاون» کا جو نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے وہ ناقص الاول اور ناقص الاخر ہے۔ اس میں نثر کا تمہیدی حصہ جس میں مخطوطے کے نام کا بھی ذکر ہے موجود نہیں۔ اس کے علاوہ ابتدائی چار بند بھی غائب ہیں۔ اس مخطوطے کا نام کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست میں «علی نامہ» بتایا گیا ہے[1] جو درست نہیں۔ اس غلط فہمی کی ایک وجہ یہ ہوگی کہ کتب خانہ سالار جنگ میں جو نسخہ موجود ہے وہ اُس بند سے شروع ہوتا ہے جس میں حضرت علی کی مدح کی گئی ہے جو حسب ذیل ہے :—

کشن جس کوں کہتے علی نام ہیگا
علی نام لینے سوں آرام ہیگا

مخطوطے کے اس پہلے بند کو دیکھ کر وضاحتی فہرست کے مرتب نصیرالدین ہاشمی نے اس کا نام «علی نامہ» رکھ دیا ہے حالانکہ اس پر کوئی

۱۔ علی نامہ۔ تصوف و اخلاق۔ ۱۲۸۔ کتب خانہ سالار جنگ۔ حیدرآباد۔

نام درج نہیں ہے۔ اس نسخہ میں صرف بہتر (۷۲) بند ہیں اور آخر کے بہت سے بند ندارد ہیں۔ اس کے علاوہ بندوں کی ترتیب میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ «علی نامہ» کے بعض اشعار میں الفاظ بھی بدلے ہوئے ہیں۔ اس مخطوطے کے آخر میں کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

مخطوطہ (ب) | اسٹیٹ لائبریری کا نسخہ مذکور بالا نسخے سے کئی اعتبار سے بہتر ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہندی فلسفے کی اصطلاحوں کے معنی اور مترادفات مخطوطے کے سرورق اور اندر کے اوراق کے حاشیہ پر لکھ دیئے گئے ہیں مگر تمام اصطلاحات کا ترجمہ اور تشریح موجود نہیں صرف چند اصطلاحوں کے فارسی اور عربی مترادف اصطلاحیں لکھ دی گئی ہیں۔ پھر بھی اِن سے «من سمجھاون» کے مطالعے میں تھوڑی بہت مدد مل جاتی ہے۔ اس مخطوطے کی ابتداء میں بھی چونکہ تمہیدی نثر کا وہ حصہ موجود نہیں جس میں شاعر نے کتاب کے نام کی وضاحت کی ہے۔ اس لئے اس نسخے پر من سمجھاون کے بجائے «دوازدہ بحر تراب شاہ یا بارہ بحر شاہ میاں تراب تصنیف تراب شاہ» لکھا ہوا ملتا ہے۔ چونکہ «من سمجھاون» بارہ مختلف حصوں میں منقسم ہے غالباً اسی لئے اُس کا نام کاتب نے «بارہ بحر» لکھ دیا ہے «قاموس الکتب» میں مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ «بارہ بحر» نام کا ایک مخطوطہ حیدرآباد میں سردارالحکماء کے کتب خانے میں موجود ہے[1]۔ لیکن «من سمجھاون» کا اصل نام «بارہ بحر» نہیں ہوسکتا اور یہاں

۱۔ قاموس الکتب۔ مولوی عبدالحق۔ ۵۵۲۔

کسی شبہ کی گنجائش بھی نہیں کیونکہ خود شاعر نے نظم شروع کرنے سے پہلے اس کا نام «من سمجھاون» بتا دیا ہے ۔

اسٹیٹ لائبریری کے نسخے میں تمہیدی نثر کے بعد پہلا تمہیدی شعر بھی موجود نہیں کاتب نے «بحر اول» لکھ کر اصل نظم شروع کردی ہے ۔ اس مخطوطے میں آٹھ ایسے بند ہیں جو دوسرے نسخوں میں موجود نہیں ہیں ۔ اس نسخے میں ایک سو چوبیس (۱۲۴) بند موجود ہیں اور «بحر دھم» کے بعد سے گرو اور چیلے کا سوال جواب شروع ہوتا ہے جو گیارھویں بحر کے ختم تک موجود ہے اس کے بعد کی بحر یعنی بارھویں بحر موجود نہیں ہے ۔ یہ نسخہ بھی پہلے نسخے کی طرح ناقص الاخر ہے ۔ اس نسخے کا سنہ کتابت ۱۲۸۵ھ ہے اور کاتب سید محب حسین ہیں ۔ اس میں سنہ تصنیف درج نہیں ہے ۔

اسٹیٹ لائبریری کے نسخہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا گیارھواں حصہ مکمل ہے ۔ ورنہ دوسرے تینوں نسخوں میں میں گیارھویں حصہ کے تقریباً تمام اشعار ندارد ہیں ۔

مخطوطہ (ج) اسٹیٹ لائبریری میں «من سمجھاون» کا ایک اور نسخہ موجود ہے[1] ۔ یہ نسخہ کئی حیثیتوں سے ناقص ہے ۔ اس میں نہ تو پہلا شعر موجود ہے اور نہ نثر کا ابتدائی حصہ ہے ۔ اس مخطوطے میں اکثر حصوں کے کئی کئی بند چھوڑ دیئے گئے ہیں ۔ بعض بندوں میں مصرعوں کی

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو جدید ۔ ۴۷۵۷ ۔ اسٹیٹ لائبریری ۔ حیدرآباد

تعداد بھی کم ہے ، اس کے علاوہ بندوں کی ترکیب بھی ٹھیک نہیں ہے ۔ ان میں تسلسل اور ربط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے ۔ اس مخطوطے میں کہیں کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج کیا ہوا نظر نہیں آتا ۔ مخطوطے کے سرورق پر «کلام تراب» لکھا ہوا ملتا ہے اور اس مخطوطے کی اس بند سے ابتداء ہوتی ہے :—

صفت کر اول اُس کی جو رام ہیگا

«من سمجھاون» کے حصہ اول کے تمام بندوں میں جن دو مصرعے کی تکرار ہے وہ بھی اکثر جگہ موجود نہیں ہیں کہیں صرف ایک مصرعہ یعنی «وہی ساقی بزم گلفام ہیگا» تحریر کیا ہوا ہے ۔ اسی طرح دوسرے تیسرے چوتھے اور باقی تمام حصوں کے مکرر لکھے جانے والے مصرعوں کی ترتیب میں بھی اختلاف ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ کہیں صرف ایک مصرعہ تحریر کیا گیا ہے اور کہیں صرف دوسرا مصرعہ اور کہیں دونوں مصرعے غائب ہیں مثلاً «کلام تراب» کے پندرھویں بند کے دونوں مصرعے موجود نہیں ہیں اسی طرح چودھویں بند میں چھ مصرعوں کے بجائے صرف تین مصرعے تحریر کئے گئے ہیں ۔

«کلام تراب» کے کاتب نے اس نظم کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے تحریر کیا ہے ۔ بعض صفحات کے حاشیے پر بھی چند مصرعے لکھ دیئے گئے ہیں ۔ کاغذ اور کتابت ٹھیک نہیں ہے ۔ مخطوطہ (ہ) میں مصرعوں کی جیسی باقاعدہ تقسیم نظر آتی ہے وہ اس نسخہ میں دکھائی نہیں دیتی ۔ اس نسخہ میں اکثر جگہ ایک حصے کے بند دوسرے حصے کے بندوں کے ساتھ غلط ملط کر کے لکھے گئے ہیں ۔

«کلام تراب» کے بعض بند ایسے بھی ہیں جو دوسرے نسخوں میں موجود نہیں ہیں۔ کاتب نے اٹھانوے (۹۸) بند تحریر کرنے کے بعد «ختم شد» لکھ کر نظم ختم کردی ہے اور پھر دوسرے صفحے پر «لگا نا گرو کے چرن سیق آشا» سے نظم دوبارہ تحریر کی گئی ہے اور مزید اکسٹھ (٦١) بند لکھے گئے ہیں۔ اس نسخے میں اکتیس (۳۱) صفحات اور ایک سو اُنیس (۱۱۹) بند موجود ہیں۔ آخر میں سنہ تصنیف اور سنہ کتابت درج نہیں کیا گیا ہے۔ «من سمجھاون» ختم کرنے کے بعد دوسرے صفحے پر کاتب نے کسی دکنی شاعر کے مرثیے کے چند مصرعے تحریر کئے ہیں۔

مخطوطہ (د) اسٹیٹ لائبریری اور کتب خانہ سالارجنگ کے علاوہ ادارہ ادبیات اُردو میں بھی یہ نظم دستیاب ہوسکتی ہے۔ یہ ایک بیاض میں لکھی گئی ہے۔ اس میں بھی تمہیدی نثر اور تمہید کا پہلا شعر موجود نہیں۔ اس مخطوطے میں کسی نئے بند کا اضافہ بھی نہیں ہے۔ یہ نسخہ بھی ناقص الاخر ہے۔ اس میں ایک سو بائیس (۱۲۲) بند ہیں اور کاتب نے بحر یازدھم یا گیارھویں حصے کے چودہ بند بھی چھوڑ دیئے ہیں۔ اس میں بھی بعض الفاظ اور اشعار بدلے ہوئے ملتے ہیں۔ کہیں کہیں ایک ہی بند کے مختلف مصرعوں کی ترتیب میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً بجائے «دیوانہ ہو پھرتا بھنور، ہوکے برہن» کے «اداسی بھنور ہو کہ پھرتا ہے بن بن» لکھا گیا ہے۔ بعض بندوں کے مصرعے دوسرے تینوں نسخوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ نسخہ بھی ناقص الاخر ہے۔ اس کا نام «من سمجھاون» تحریر کیا گیا ہے اور شاعر کا نام بھی صحیح ہے۔ یعنی شاہ تراب لکھا گیا ہے۔

مخطوطہ (ہ) ادارہ ادبیات اُردو میں «من سمجھاون» کا ایک اور نسخہ موجود ہے۔ اس مخطوطے کا ابتدائی حصہ بالکل مکمل ہے اور نثر کی عبارت بھی موجود ہے اور تمہیدی شعر بھی اس میں ایک سوتیئیس (۱۲۳) بند ہیں۔ کاتب نے اس کا صحیح نام من سمجھاون تحریر کیا ہے۔ اس نسخہ میں کوئی بند ایسا نہیں جو دوسرے نسخوں میں موجود نہ ہو البتہ بعض مصرعوں کی ترتیب میں فرق نظر آتا ہے اور بعض مصرعے بدلے ہوئے بھی ہیں۔ اس نسخے کے کاتب کا نام نادر علی ہے اور سنہ کتابت ۱۱۷۵ ھ تحریر کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ بھی ناقص الاخر ہے۔ اس کے علاوہ گیارہویں حصے کے چودہ بند بھی اس میں موجود نہیں ہیں۔

مخطوطہ (و) چونکہ حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں کے یہ پانچوں نسخے ناقص الاخر تھے اس لئے راقمۃ الحروف نے جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے کے مخطوطے سے استفادہ کیا ہے جس کا آخری حصہ بالکل مکمل ہے۔ اس مخطوطے کی ابتداء میں سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے۔ «این رسالہ تصنیف برہمن حسینی[1] مسمی بہ من سمجھاون است» یہ نسخہ نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے اور اس کا سائز ٦ × ″۸ ہے۔ اس نسخے میں نہ صرف تمہیدی شعر اور تمہیدی نثر موجود ہے بلکہ درمیان کے بھی بہت سارے اشعار موجود ہیں اس مخطوطے پر کہیں سنہ تصنیف درج نہیں ہے۔ یہ «دیوان علیم»، «پنچھی باجا» اور «رموز الکاملین» کے ساتھ مجلد ہے۔ کاتب کو شاہ تراب کے نام کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے اور اس نے «من سمجھاون» کے صرف اس شعر

۱۔ اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

کو پڑھکر : —

حسینی برہمن اہے نام داری
کہا ہے یو رنگین سخن یادگاری

شاہ تراب کا نام حسینی برہمن بتا دیا ہے ۔

گذشتہ صفحات میں «من سمجھاون» کے جن نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے مطالعے کے بعد ادارہ ادبیات اُردو کے مخطوطے «ھ» کو بنیاد بنا کر دوسرے مخطوطوں سے مقابلہ کرتے ہوئے «من سمجھاون» نقل کی گئی ہے ۔ اس نسخے کو بنیاد بنانے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ (۱) یہ مخطوطہ دوسرے مخطوطوں سے زیادہ مکمل معلوم ہوتا ہے ۔ (۲) دوسرے اس میں بندوں کی تعداد بھی زیادہ ہے ۔ (۳) تیسرے یہ کہ اس مخطوطے کو بڑی باقاعدگی کے ساتھ حصوں میں تقسیم کرکے تحریر کیا گیا ہے ۔ دوسرے نسخوں کی ترتیب میں اتنی باقاعدگی اور سلیقہ نظر نہیں آتا ۔ (٤) چوتھی وجہ اس مخطوطے کو بنیاد بنانے کی یہ ہے کہ یہ نسخہ دوسرے نسخوں کے مقابلہ میں قدیم بھی ہے ۔

من سمجھاون بحیثیت نظم

«من سمجھاون» کی ہئیت اور اس کا روپ بھی بہت دلچسپ ہے ۔ شاہ تراب نے «من سمجھاون» کی شکل یا ہئیت کے انتخاب میں بڑی اپج اور انفرادیت کا ثبوت دیا ہے ۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا جا چکا ہے «من سمجھاون» بارہ مختلف حصوں پر مشتمل ہے ۔ ہر حصے میں بندوں کی تعداد مختلف ہے ۔ «من سمجھاون» در اصل بطور ترکیب بند لکھی گئی ہے ۔ ہر بند میں چھ مصرعے ہیں ۔

«من سمجھاون» کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر حصہ ایک علاحدہ موضوع پر لکھا گیا ہے ۔ ہر حصے میں مختلف ردیفیں ہیں ۔ چونکہ «من سمجھاون» کے ذریعے سے شاہ تراب مختلف سماجی، اخلاقی اور فلسفیانہ نکات کی توضیح کرنا چاہتے تھے اور اُن کے پیش نظر بہت وسیع مواد اور متنوع موضوعات تھے اس لئے اُنھوں نے اس نظم کے ہر حصے میں مختلف ردیف اور قافیہ استعمال کیا ہے اور ہر حصے کا اسلوب بھی منفرد ہے ۔ شاہ تراب نے اس نکتے کو ملحوظ رکھا ہے کہ قاری، نظم کی یکسانیت اور یکرنگی سے اُکتا جاتا ہے ۔ اس لئے نظم میں خیالات کی رنگارنگی کے ساتھ ساتھ اسلوب، طرز اظہار اور پیشکشی کے انداز میں بھی تنوع ہونا چاہئے ۔

شاہ تراب نے «من سمجھاون» کی ابتداء میں نثر کی چند سطریں بطور تمہید لکھی ہیں جن میں وہ بتاتے ہیں کہ ان کی یہ نظم مرہٹی کے مشہور فلسفی اور شاعر رام داس کی نظم کے جواب میں لکھی گئی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : —

«اے اوس کی من کی پوتی کا جواب ہے کہ جس کا
رام داس خطاب ہے مرہٹی بات میں پوتی وہ بولیا میں
اس کا رمز سب دکھنی میں کھولیا ۔ بھی من سمجھاون
اس کا نام راکھاو لیکن سر بسر ہندی ہے بھاکا»

اس عبارت کے بارے میں جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے کی فہرست کے مرتب کو غلط فہمی ہوئی ہے ۔ انہیں غالباً مقفٰی جملوں کی وجہ

سے مغالطہ ہوا ہے کہ یہ نثر نہیں نظم ہے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں « من سمجھاون » کا جو نسخہ ہے اس میں یہ نثری حصہ بطور عبارت نہیں لکھا گیا ہے بلکہ جس طرح شعر کے دو مصرعے درمیان میں تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر لکھے جاتے ہیں اسی طرح کاتب نے مقفیٰ جملے لکھ دیئے ہیں جس کی وجہ سے بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نثر نہیں نظم ہے ۔

پہلا بند شروع کرنے سے پہلے شاہ تراب نے تمہید کا ایک شعر بھی دیا ہے جس میں وہ یہ کہتے ہیں کہ زبان خواہ کوئی ہو ہمیں معنیٰ سے سروکار رکھنا چاہئے : —

زبان کوئی ہوئی تو کیا معنی سوں ہے کام
تراب نے یوں کیا وصف دلا رام

یہ ایک شعر علحدہ بحر میں ہے اور اس کے بعد سے دوسری بحر میں « من سمجھاون » شروع ہوتی ہے ۔ اس نظم کے تمام حصے ایک ہی بحر میں لکھے گئے ہیں ۔ « من سمجھاون » کا نام بعض نسخوں میں « بارہ بحر » بھی لکھا گیا ہے (اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) لیکن یہ نام بحر کے اختلاف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس نظم کے بارہ مختلف حصوں میں منقسم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے ۔ « من سمجھاون » کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ہر حصہ کے تمام بندوں کا آخری مصرعہ مشترک ہے مثلاً پہلے حصے کے تمام بندوں کا چھٹا مصرعہ یہ ہے : —

وہی ساقی بزم گل فام ہیگا

اسی طرح دوسرے حصے میں « اُٹھو جی اُٹھو اب چلو اپنے گھر کون » اور تیسرے حصے میں « ارے من نکورے نکو ہو دیوانہ » والے مصرعے کا التزام رکھا گیا ہے ۔

من سمجھاون کی بحر | شاہ تراب نے « من سمجھاون » ، سنت رام داس کی مقبول عام تخلیق « شری مناچے شلوک » کے « جواب » میں لکھی ہے ۔ اُنھوں نے اس کتاب کا نام نہیں بتایا مگر « من سمجھاون » کے مطالب ، اس کی بحر اور پھر نام کو دیکھنے کے سے اور « شری مناچے شلوک » کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ « من سمجھاون » رام داس کی « مناچے شلوک » ہی سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے ۔ اگرچہ کہ شاہ تراب نے رام داس کی مشہور کتاب اور ان کے شاہکار « داسا بودھ » سے بھی بعض مطالب اخذ کئے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس سے بھی متاثر ہوئے ہیں لیکن « من سمجھاون » میں « داسا بودھ » سے زیادہ « شری مناچے شلوک » کا اثر نظر آتا ہے ۔ شاہ تراب اس نظم سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ اُنھوں نے بحر بھی وہی استعمال کی ہے جو رام داس کی « شری مناچے شلوک » کی بحر سے مشابہت رکھتی ہے ۔ رام داس نے « شری مناچے شلوک » میں جو بحر استعمال کی ہے وہ بھوجنگ پریات (भुजंग प्रयात) ہے اور اس بحر کے ارکان سے موتی ہم آہنگی رکھنے والی بحر متقارب شاہ تراب نے « من سمجھاون » کے لئے منتخب کی ہے ۔ بھوجنگ پریات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں چار (य) ہوتے ہیں یعنی چار رسو (ह्रस्व) اور آٹھ دیرگھ (दीर्घ) ہوتے ہیں ۔ « مناچے شلوک » اور « من سمجھاون » کے حسب ذیل مصرعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر متقارب اور بھوجنگ پریات میں کتنی مشابہت ہے ۔

« من سمجھاون » : —

صدا رام کے نام سوں کام ہیگا

सदा राम के नाम सूं काम हेग

مناچے شلوک :۔

نو پے کشی کدا رام داسا بھو مانی

थ थ थ थ

⏑ – – ⏑ – – ⏑ – – ⏑ – –

नुपेक्षी कदा राम दासा भीमानी

«شری مناچے شلوک» کی بحر بھوجنگا پرایات بحر متقارب سے خاصی مشابہت رکھتی ہے متقارب کے ارکان ۔ فعولن ۔ فعولن ۔ فعولن ۔ فعول ہیں۔

من سمجھاون اور مناچے شلوک کی ہئیت کا اختلاف

«من سمجھاون» اور «مناچے شلوک» کی بحر مشابہ ہونے کے باوجود ان کی ہئیت میں کافی فرق نظر آتا ہے۔ «مناچے شلوک» مختلف حصوں میں منقسم نہیں ہے۔ اس میں دوسو پانچ (۲۰۵) بند (Stanza) ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے گویا کل نظم میں آٹھ سو بیس (۸۲۰) مصرعے ہیں۔ دونوں نظموں کی ہئیت میں ایک اور فرق یہ ہے کہ «مناچے شلوک» کے ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور «من سمجھاون» میں ہر بند چھ مصروں پر مشتمل ہے اور یہ ایک ترکیب بند ہے۔ «من سمجھاون» کی طرح «مناچے شلوک» میں بھی بعض خاص مصرعوں کی تکرار ہوتی ہے۔ «من سمجھاون» میں پانچویں اور چھٹے مصرعے کی تکرار کا التزام رکھا گیا ہے اور «مناچے شلوک» میں چوتھا مصرعہ دھرایا گیا ہے «مناچے شلوک» میں پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے «من سمجھاون» میں پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور آخری مصرعوں کی ردیف اور ان کا قافیہ بدلا ہوا ہوتا ہے۔

شری مناچے شلوک

«شری مناچے شلوک» سمرتھ رام داس کا شاہکار نہیں لیکن ان کے مشہور کارنامے «داس بودھا» سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ تصنیف ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ رام داس نے

عام فہم انداز اور سلیس زبان میں اخلاقی، سماجی اور فلسفیانہ نکات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ «داس بودھا» کا اسلوب اور طرز اظہار ایسا ہے کہ صرف پڑھا لکھا طبقہ اور علمی استطاعت رکھنے والے لوگ ہی اس سے محظوظ ہوسکتے ہیں اس کے برخلاف «مناچے شلوک» میں سادہ پیمانے پر اعلیٰ قدروں کو پیش کیا گیا ہے۔ رام داس کی یہ کتاب اتنی مقبول ہے کہ ہر طبقے اور ہر عمر کے شخص کو اس کے اشعار یاد ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ «مناچے شلوک» مہاراشٹرا کے خطے کی مقبول ترین کتاب ہے۔ «داس بودھا» لوگوں کے دماغوں پر اثر کرتی ہے تو «مناچے شلوک» نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ «مناچے شلوک» کو مسٹر یس۔ یس دیو، رام داس کا شاہکار قرار دیتے ہیں[1] کیونکہ یہ رام کی دوسری تخلیقات سے زیادہ مقبول خاص و عام کتاب ہے «مناچے شلوک» کے اکثر شعر مہاراشٹرا کے بچوں کو بھی یاد ہوتے ہیں۔

«شری مناچے شلوک» کے متعلق «مسٹی سیزم ان مہاراشٹرا» کے مصنف راناڈے کا خیال ہے کہ یہ کتاب نہ صرف اخلاقی اور روحانی اقدار کے اعتبار سے اہم ہے بلکہ اس میں رام داس نے دنیاوی زندگی کے ایسے مختلف اور متنوع تجربات بھی بیان کئے ہیں جو انسانی نفسیات اور انسانی ذہن کی مختلف کیفیتوں اور مختلف محرکات کی حقیقی نمائندگی کرتے ہیں۔

رام داس نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لئے مختلف چھوٹی بڑی کتابیں لکھی تھیں «جنا بھوا گوساوی» اور «کروناشٹیک» کی طرح «مناچے شلوک» کا مقصد بھی عوام کے اخلاق کی اصلاح اور روحانیت

کا پرچار تھا ۔ رام داس کی تصانیف کے پس منظر میں ان کا یہ جذبہ بھی کار فرما تھا کہ مہاراشٹرا کے عوام کو متحد کرکے ان میں صحت مند سماجی اور سیاسی تصورات کو عام کریں ۔ عظیم تر مہاراشٹر کے اس تصور کو رام داس مذہب پرستی اور روحانیت کے ذریعہ تقویت پہنچانا چاہتے تھے ۔ ان کے پیش نظر برہمنوں کی معاشی تباہ حالی ، ان کا ذہنی انحطاط اور سماجی تنزل تھا ۔ « مناچے شلوک » میں رام داس جگہ جگہ ہندوؤں کو مذہب کے صحیح راستے پر چلنے اور دل میں انسانیت کا درد پیدا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں ۔

« مناچے شلوک » کی ابتداء میں رام داس گنیش کی حمد و ثنا کرتے ہیں جیسا کہ اکثر مرہٹی شعرا کا طریقہ ہے ۔ حمد و ثنا کے بندوں کو ختم کرکے رام داس اصل مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں ۔ « مناچے شلوک » میں سب سے پہلی بات جس پر رام داس نے زور دیا ہے وہ یہ کہ انسان جب تک برے جذبات کو اپنے دل سے نکال نہ دے رام کو اپنے من میں بسا نہیں سکتا ۔ کیونکہ رام اس من میں بسیرا نہیں کرتا جو گناہ حرص اور بدی کے خیالات سے معمور ہو ۔ رام داس نے انسانی خواہشات کو ختم کرنے اور بلند روحانی قدروں کو اپنانے کی تعلیم دی ہے ۔ اور جھوٹ ، غصہ ، غرور اور بے حیائی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ رام داس کہتے ہیں کہ عبادت اور بھگتی کے سواء انسان کی نجات کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے ۔ دنیوی خواہشات کو انہوں نے ایک ایسے جال سے تشبیہ دی ہے جس میں پھنس کر نکلنا بہت دشوار ہوجاتا ہے ۔

« مناچے شلوک » کے بعض بندوں میں رام داس نے رام کے بڑے حسین مرقعے پیش کئے ہیں ۔ رام داس کہتے ہیں کہ وہ رام جس نے امبررشی ، گجیندر ، دھرو ، دسا اوتار اور اجامیڑ کے ذریعہ سے دنیا کو پاپ سے پاک کرنے کی کوشش کی ہے اپنے اُس داس کو درس دیتا ہے جو عقل کے ذریعے نہیں بلکہ عشق اور وجدان کے سہارے اس کو سمجھانا چاہتا ہے ۔ صرف بحث و مباحثے کے سہارے ہم اُس بلندی تک نہیں پہنچ سکتے جہاں عرفان اور نروان حاصل ہوتا ہے ۔ رام داس نے ظاہرداری سے دور رہنے اور نیک عمل کرنے کی ہر جگہ تعلیم دی ہے ۔

« مناچے شلوک » میں رام داس نے اکثر بندوں کے چوتھے مصرعے کی تکرار کی ہے « من سمجھاؤں » میں بھی شاہ تراب ہر بند کے پانچویں اور چھٹے مصرعے کی تکرار کرتے ہیں ۔ دونوں شاعروں کے یہاں بند کے آخری حصے کی تکرار کا مقصد ایک خاص خیال کو ذہن نشین کروانا اور ایک مخصوص تصور کی اہمیت محسوس کروانا ہے ۔ « مناچے شلوک » کے ابتدائی بندوں میں اس طرح کی تکرار نہیں ملتی ۔ ستائیسویں (۲۷) بند سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اور مصرعے یہ ہے :۔۔

« نو ہے کشی کد رام دسا بھی مانی » (یعنی رام اپنے داس کو کبھی نظرانداز نہیں کرتا) اس مصرعے کی تکرار اڑتیسویں (۳۸) بند تک ہوتی ہے اور پھر اڑتیسویں (۳۸) بند سے لیکر بیالیسویں بند تک ایک اور مصرعہ یعنی « مناسجنا راگھویں وستی کیجے » ہے

سینتالیس (٤٧) سے لیکر چھپن (٥٦) بند تک جس مصرعے کو دہرایا گیا ہے وہ "جگی دھنیا نو داس سرو تماسہ" ہے۔ (ادرشک داس میں یہ خوبیاں ہوتی ہیں) لیکن ستاون (٥٧) بند سے اس طرح کی تکرار ختم ہوجاتی ہے اور نو بندوں میں کسی خاص مصرعے کا التزام نہیں رکھا گیا ہے۔ لیکن شاہ تراب کی من سمجھاون کا کوئی بند تکرار سے خالی نہیں ہے۔ سیسٹھویں (٦٧) بند سے "پر بھاتیں منی رام جنتنا زاوا" (صبح خدا کی پرستش کرنی چاہئے) شروع ہوتا ہے۔ اس مصرعے کو رام داس نے چھہترویں (٧٦) بند تک باقی رکھا ہے۔ پھر ستیہترویں (٧٧) بند سے لیکر ایک سو پندرہویں (١١٥) بند تک مصرعوں کی تکرار نہیں ہے۔ ایک سو سولہا (١١٦) سے یہ مصرعہ "تو ہے کشی کدا دیو بھگتا بھی مانی" (رام اپنے سچے بھگت کو نظر انداز نہیں کرتا) کی ابتداء ہوتی ہے۔ یہ مصرعہ ایک سو پچیس (١٢٦) تک دھرایا گیا ہے پھر ایک سو چھبیس (١٢٦) سے تکرار ختم ہوگئی ہے۔ اسی طرح ایک سو چھیالس (١٤٦) سے لیکر ایک سو پچاس (١٥٠) تک "منا سنت انت شو دھونی پاہیں" کی تکرار ہے اسی طرح ایک سو ترسٹھ سے ایک سو سیسٹھ تک اور پھر ایک سو چھیاسی (١٨٦) سے لیکر ایک سو نوے (١٩٠) تک تکرار باقی رکھی گئی ہے۔ آخری پندرہ بندوں میں کسی مصرعے کی تکرار نہیں ہے۔

"مناچے شلوک" کو ختم کرتے ہوئے رام داس کہتے ہیں کہ یہ دو سو پانچ مصرعے جو لوگ پڑھیں گے اُن کو گیان مل جائے گا۔ اور اُن کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ جاہل بھی "مناچے شلوک" کو پڑھ کر ویراگ کے بھید کو جان لے گا"۔

"شری مناچے شلوک" کی زبان بہت سادہ اور سلیس ہے کیونکہ رام داس نے یہ کتاب عوام کی اصلاح کے لئے لکھی تھی اور اپنی اس نظم میں وہ عام آدمی ہی سے مخاطب ہیں۔ رام داس نے "مناچے شلوک" میں زبان کی کے لطف، خیال کی بے تکان پرواز اور الفاظ کی شعبدہ باری سے زیادہ خیال کی صداقت، اسلوب کی سادگی اور نظم کی اثرانگیزی اور افادیت پر زور دیا ہے۔ اس لئے "شری مناچے شلوک" میں ہمیں بہت اعلی شعری خوبیاں نہیں ملتیں بلکہ خلوص کی، گرمی۔ اسلوب کی خستگی و گداختگی اور بیان کی اثرانگیزی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "شری مناچے شلوک" شاعرانہ اعتبار سے کسی خاص خوبی کی حامل نہیں ہے۔ "مناچے شلوک" میں اتنی مقصدیت اور افادیت کے باوجود بڑا رس اور شگفتگی ہے۔ "مناچے شلوک" کی سب سے بڑی خوبی اس کے اسلوب اور زبان کی سلاست، بے ساختگی اور روانی ہے۔ مندرجہ ذیل بند سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ نظم کتنی سبک رو، شگفتہ اور رواں ہے اور اس میں کیسی دبی دبی سی موسیقیت پنہاں ہے:—

دناسا دیالو مناسا مناڑو
سنیہارو کور پالو جنی داس پاڑو
تیا انتری کرود سنتپا کیسا
جگی دھینا تو داس پرو تماسا

"مناچے شلوک" میں کہیں کہیں رام داس نے النکار کو بھی برتا ہے لیکن شعر کی خوبصورتی کو بڑھانے یا صوری قدروں کی خاطر نہیں بلکہ یہ النکار اور دُرشٹانت (दृष्टान्त) مصرعے کی معنویت کو بڑھانے

اور خیال کو کم سے کم لفظوں میں پیش کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں ۔ «مناچے شکوک» میں جو صنائع لفظی یا صوتی حسن کے عناصر ہیں اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ اُن میں کسی قسم کی آورد یا تصنع کا احساس نہیں پایا جاتا بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ جذبات کے از خود جھکاو اور بے ساختہ انداز بیان کے ثمرات ہیں ۔ مثال کے طور پر «مناچے شکوک» کا ایک بند ملاحظہ کیجئے جس میں تکرار (Allit-ation) کے باوجود کسی قسم کی صنعت کاری کا احساس نہیں ہوتا :۔

منا واسنا واسوُ دبوین و سیندے
منا کا منا کا موُ رنگین نسوندے
منا کلپنا داوُگی تے نہ کیجئے
منا سجنا سجنیں و ستی کیجئے

شری کلیان سوامی «شری رام داس چی کویتا» میں رام داس کی شاعری کی خصوصیات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ «مناچے شکوک» میں غضب کی روانی ، ابال ، بیساختگی اور جوش و خروش ہے[1] اسی طرح «بھارت چاسنکرتک اتیہاس» کے مصنف نے لکھا ہے کہ «رام داس کے اشعار میں اتنا جوش اور ولولہ ہوتا تھا کہ مرہٹوں کے فوجی دستے حملہ کرتے وقت ان کے اشعار کو بطور رجز پڑھا کرتے تھے»[2] «شری مناچے شکوک» میں اس لئے بھی اثرانگیزی اور جوش و خروش زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ رام داس نے بھوجنگا پریات بحر کا انتخاب کیا ہے جو اثر جوش و خروش اور ولولہ انگیزی سے معمور ہوتی ہے ۔

---

۱ ۔ رام داس چی کویتا از شری کلیان سوامی ۔ حصہ اول ۔ صفحہ ۲۳۶ ۔
۲ ۔ بھارت چاسنکرتک اتیہاس از وی اُتکر صفحہ ۱۸۱ ۔

«مناچے شکوک» اپنے بے پناہ اثر ، ولولہ انگیزی ، سادگی ، بیساختگی اور نرم ترنم کی وجہ سے ایک ایسی نظم بن گئی ہے جو سب کے دلوں کو موہ لیتی ہے ۔

مناچے شکوک اور من سمجھاون

جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا جا چکا ہے شاہ تراب نے «من سمجھاون» رام داس کی «مناچے شکوک» سے متاثر ہو کر لکھی ہے اور «مناچے شکوک» ہی کی مناسبت سے اُنہوں نے اپنی نظم کا نام «من سمجھاون» رکھا ہے ۔ بحر کے علاوہ ان دونوں نظموں میں بہت سے تصورات ، مطالب اور اخلاقی نکات مشترک ہیں ۔ «من سمجھاون» اور «مناچے شکوک» دونوں میں مادی زندگی کی ناپائیداری ، بے ثباتی اور کھوکھلے پن کا بیان ملتا ہے اور اعلیٰ انسانی صفات کو اپنانے اور کردار کی پُرعظمت بلندیوں تک پہنچنے کی تلقین کی گئی ہے ۔ رام داس نہ صرف ایک فلسفی اور شاعر تھے بلکہ اخلاقی اور سماجی مصلح بھی تھے ۔ رام داس نے «مناچے شکوک» میں اس بات پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ شڈری پو (षड्रिपु) یعنی کام ، کرود ، لولبھ ، موہ ، مدھ اور متسر (شہوت ، غصہ حرص ، مادی عشق ، غرور اور حسد) انسان کی سیرت کو گھن لگا دیتے ہیں اس لئے سب سے پہلے انسان کو ان کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ ان خیالات کو رام داس نے «مناچے شکوک» میں بار بار پیش کیا ہے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

نکورے منا کرودہا کھید کاری
نکورے منا کام نانا وکاری
نکورے منا سرو دا انگی کارو
نکورے منا متسر دنبھ بھارو

اسی طرح شاہ تراب نے بھی «من سمجھاون» میں کئی جگہ شدّ و مد سے "می پن" کی مذمت کی ہے اور انسان کو اُن کے دھوکے میں نہ آنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل بند ملاحظہ ہو جس میں شاہ تراب نے نہ صرف رام داس کے خیال سے استفادہ کیا ہے بلکہ اسلوب میں بھی مذکر بالا بند کا پرتو جھلکتا ہے:—

ہوا غصہ کا سنگات کر مت
کرود کام اور لوب کا پاپ کر مت
ارے من توں مایا کا سورات کر مت
حسودان کی تو بات ہو گھات کر مت

رام داس نے «شری مناچے شلوک» میں سچے بھگت کی یہ پہچان بتائی ہے کہ اُس میں «می پن» کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ رام داس کہتے ہیں کہ جس طرح ایک لبریز جام میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ اُس میں کوئی دوسرا شربت بھرا جا سکے۔ اسی طرح انسان کا دل بھی اگر «می پن» اور اپنی محبت سے بھرا ہوا ہو تو پھر خدا کی محبت اس میں کسی طرح سما نہیں سکتی۔ رام داس کہتے ہیں کہ «بھگوان تو ایک ہمہ گیر اور لازوال قوت ہے»۔ وہ حادث نہیں نہ «ٹوٹتا» ہے نہ «پھوٹتا» ہے اور ہر جگہ موجود ہے لیکن جب تک انسان اپنے آپ کو بھلا نہ دے اُس وقت تک وہ بھگوان کو پا نہیں سکتا:—

بھٹے ناٹے نا۔ چڑے نا پڑے نا
سدا سن چلیں می پنڈے توں کڑے نا
تیا ایک روپا سی دوجیں نہ ساہیں
منا سنت آننت شو دھونی باہیں

رام داس نے «می پن» کو دور کرنے پر اتنا زور دیا ہے ک
ایک سو ترسٹھویں (۱۶۳) بند سے لیکر ایک سو سڑسٹھویں (۱۶۷) بند تک
اُنہوں نے ان ہی مطالب کی وضاحت کی ہے۔

شاہ تراب «من سمجھاون» کے ایک بند میں اسی طرح خدا کی
صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تک انسان اپنی خودی کو
مٹا نہ دے اُس وقت تک وہ اپنے مطلوب کو پا نہیں سکتا:—

اگرچہ سریجن کو بیچون کلاتے
صفت سوں ہماری صفت اُس کی پاتے
تب ہی عبد و معبود دونوں سہاتے
بسر راہ دلدار کی سدھ گنواتے
سٹو مٹے پنا ہور باندھو کمر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کوں

ایک جگہ شاہ تراب «مٹے پن» کو «کفر» سے موسوم کرتے ہوئے
کہتے ہیں:—

اتا سٹ کے سب مٹے پن کے کفر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کوں

رام داس کی طرح شاہ تراب نے بھی اس خیال کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کی کئی بندوں میں وضاحت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ «مے پن» کے جاتے سلوک کی منزلوں میں «یک پن» کی ضرورت ہے:—

جہاں اک بناواں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

اور شاہ تراب اس ساری تفصیل کا اجمال یہ کہکر پیش کرتے ہیں :—

نہ تجہ من کوں می پن کے جھگڑے میں بہاویں

رام داس اور شاہ تراب دوی کو اپنے مطلوب کے راستے کی رکاوٹ بتاتے ہیں شاہ تراب اپنے محبوب میں جذب ہوجانے اور رام داس (निर्द्वन्द्व) ہو جانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

رام داس "مناچے شکوک" کے اکاونویں بند میں کہتے ہیں کہ اگر انسان دنیا میں بہت سی دولت جمع بھی کرلے تو وہ اُس کو یہیں چھوڑ جائے گا اُس کے مرنے کے بعد کچھ دن اس کے اقربا اُسے یاد کرکے روئیں گے پھر وہ بھی اُس کو بھول جائیں گے، صرف لوگوں کی زبانوں پر اُس کے اعمال اور اس کی سیرت کا ذکر باقی رہ جائے گا۔ اسی طرح شاہ تراب "من سمجھاون" میں کہتے ہیں :—

جتے لگ تو جورو بچے پیار کرتے
موئے پر بھی مردہ ککر جیو میں روتے
تجے گاڑ ماٹی میں سارے بسرتے
تیرے پیچھے ہرگز نہیں کوئی مرتے
یہ ایسا ہے پرپنچ جھوٹا زمانہ
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانہ

"مناچے شکوک" میں رام داس کہتے ہیں کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے لیکن انسان اتنا بیوقوف کہ تھوڑے سے دھن مال پر

اکڑنے لگتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس اُس سے زیادہ دولت ہے اُن سے حسد کرتا اور جن لوگوں کے پاس اُس سے کم دولت ہے اُن سے غرور اور نخوت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ رام داس کہتے ہیں کہ دنیوی لذتیں، مادی آرام و آسائش، احساس اور نظر کے دھوکے ہیں اس لئے دولت جمع کرنا سب سے بڑی نادانی ہے۔ شاہ تراب نے ان ہی خیالات کو "من سجمھاون" میں اکثر جگہ پیش کیا ہے۔ شاہ تراب "من سمجھاون" میں کہتے ہیں کہ یہ "مایا" ناپائیدار اور یہ "سنسار" جھوٹا ہے، مادی رنگینیاں فریب نگاہ ہیں اس لئے دنیوی عظمت اور مادی آسائیشوں کو اہمیت دینا نادانی ہے :—

ارے من بڑے بن ہو کی بھولتا رے
آپس کو اپی دیکھ کی پھولتا رے
سکھا رے دلارے میں کی جھولتا رے
چپ چڑ کو ہودہانی کی مولتا رے
ارے من تو دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

ایک اور جگہ شاہ تراب نے بڑے موثر انداز میں دنیا کی ناپائیداری کا ذکر کرتے ہوئے غرور نہ کرنے اور مادی دولت اور حسن کو دائمی نہ سمجھنے کی اس طرح تلقین کی ہے :—

ارے من تیری دیکھ کر نوجوانی
نکو چل عبث کر کو چھاتی اُوتانی
چیرا سر اُوپر باند کو زعفرانی
بنا کر آپس شکل دائم سو فانی
ارے من تو دھن مال پر نہ اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

رام داس نے مناچے شکوک میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا بار بار ذکر کیا ہے چھیالیسویں (۴۶) بند سے چھپنویں (۵۶) بند تک رام داس نے آردشک بھگت کے خصوصیات بتائی ہیں - وہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو دنیا کے آرام اور اُس کی ظاہری طمطراق اور اُس کی نمائشی چمک دمک سے محبت نہیں ہوتی وہی روحانی لذتوں کے سرچشمے تک پہنچ سکتا ہے - سچے داس کو نہ اپنے جسم کی فکر ہوتی ہے نہ اپنے آرام کا خیال ہوتا ہے - وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ فانی جسم ایک دن فنا ہو کر ہی رہے گا خواہ ہم اس کا کتنا ہی سنگھار کریں اور اس کی کتنی ہی حفاظت کریں۔
اسی طرح شاہ تراب نے بھی اکثر جگہ "من سمجھاون" میں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ انسان کو خدا نے مٹی سے خلق کیا ہے لیکن اس مٹی پر انسان گھمنڈ کرتا ہے - اپنے تن کو خوبصورت پوشاکوں سے سنوارتا ہے اور عطر میں بساتا ہے - لذیذ اور طاقتور غذاؤں سے اپنے تن کی پرورش کرتا ہے لیکن اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ یہ مٹی ایک دن مٹی میں مل کر رہ جائیگی :-

یہ ماٹی کے تن کوں توں سنگارتا کی
نکل جائے گا تن سوں جس وقت ترجی
اُسے چپ کھلاتا ہے توں دود ہور گھی
رہے گی تو آخر کوں ماٹی کی ماٹی

ایک اور شاہ تراب کہتے ہیں :-

ارے من توں اس تن کو کی پیار کرتا
زمیں کے بچھانے سوں کی عار کرتا
ارے من توں کی عشق دلدار کرتا
زری کسوتاں پہن سنگار کرتا
ارے من توں دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

اس سلسلے میں ایک اور بات قابل غور یہ ہے کہ جس طرح رام داس نے "جگی دھنیا تو داس سرا نما سہ" کی تکرار کے ساتھ "سراُتم داس" کی صفات کا ذکر کیا ہے اِسی طرح شاہ تراب حقیقی قلندر کی خصوصیات بیان کرتے اور سچے فقیر کی پہچان بتاتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ فقیر امیروں سے بہتر ہوتا ہے - امیر فکرمند اور پریشان رہتے ہیں فقراء بے فکر اور خوش رہتے ہیں - اور "قلب مطمئنہ" کے مالک ہوتے ہیں - وہ قلندر کی خصوصیات اس طرح بیان کرتے ہیں :-

نہ کس کے بھلے بولنے کی خوش حالی
نہ پرواہ تحسین نہ درد گالی
نہ چاہیں گرم لحاف نہ نرم نہالی
نہ دل میں ذرا کچھ غم قحط سالی
ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا جھانسہ
لیا ہاتھ میں بھیک کا جن نے کاسہ

★

گدا کا نہ بنک جس وقت چڑاوس
مٹے برنگالی نہ خاطر میں لاویں
بچھا کر مکمبر شہنشہ کلاویں
وو تکیہ نشین کین نہ آویں نہ جاویں
ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا جھانسہ
لیا ہاتھ میں بھیک کا جن نے کاسہ

رام داس نے "شری مناچے شکوک" کے بند نمبر ایک سو سات (۱۰۷) اور ایک سو آٹھ (۱۰۸) میں اس نکتے پر زور دیا ہے کہ انسان کو ہمیشہ

اچھی صحبت اختیار کرنی چاہئے اچھی صحبت سے انسان بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے ۔ جس طرح کہ کندن سے معمولی دھات مس ہوکر سونا بن جاتی ہے ۔ «من سمجھاون» میں شاہ تراب نے بھی مثالی انسان اور مرشد کامل کی بڑی ستائش کی ہے ۔ اُنھوں نے بار بار اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اگر نیک آدمی کی صحبت نصیب نہ ہو تو زندگی رائیگاں جاتی ہے اس لئے مرشد کامل کو تلاش کرنا اور اس کی صحبت سے فیض اُٹھانا ضروری ہے ۔ رام داس نے «داس بودھا» میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ صحیح رہنما کے ذریعے سے ہی ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں ۔ رام داس کی طرح شاہ تراب نے بھی «ست گرو» یا «مرشد کامل» کی رہنمائی کی ضرورت کا اکثر جگہ ذکر کیا ہے ۔ «ظہور کلی» میں تو ایک پورے باب میں اُنھوں نے مرشد کی ضرورت اور اہمیت واضح کی ہے ۔ «من سمجھاون» میں مسلسل چوبیس (٢٤) بندوں کے آخر میں یہ مصرعے دہرائے گئے ہیں :—

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

شاہ تراب کہتے ہیں کہ گرو کی رہنمائی اور اُس کی مدد ہی سے ہم نجات حاصل کرسکتے ہیں :—

لگا ست گرو کے چرن سوں لگن رے
عبث کیا کرے گا توں یو مال دھن رے
گرو کے چرن سوں ہے دائم امن رے
ہری رام کر جاں گرو کا بچن رے
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ صرف وہی لوگ میرے تصورات اور مطالب کو سمجھ سکیں گے جنہیں مرشد کامل یا ست گرو نے اسرار و رموز سمجھائے ہیں :—

تراب کے وہی بھید کوں پائیں گے رے
جسے ست گرو راہ دکھلائیں گے رے
گرو بن جو غفلت میں مرجائیں گے رے
دغا کھائیں گے رے دغا کھائیں گے رے

رام داس نے «داسا بودھا» کے تیسویں (٣٠) سماسا میں گرو کی ضرورت اور اہمیت بتائی ہے اور اُس کے بعد کے حصے میں اُنھوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ «روحانیت کی کنجی گرو کے ہاتھ میں ہوتی ہے» اس کے بعد وہ گرو اور بھگوان کے سمبندھ پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ تینتیسویں (٣٣) سماسا میں گرو کی عظمت کا بیان ملتا ہے اور اُس کے بعد کے حصے میں رام داس نے ست گرو کی خصوصیات کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے ۔ اس کے بعد کے چار اور حصے بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں ۔ ان مختلف سماساؤں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ رام داس گرو کو کتنا اہم سمجھتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنیشد میں بھی گرو کی اہمیت بتائی گئی ہے اس لئے ہم اس کی عظمت سے انکار نہیں کرسکتے ۔ «مناچے شلوک» میں بھی اکثر جگہ اس تصور کا عکس نظر آتا ہے ۔ «من سمجھاون» میں شاہ تراب بھی اس خیال پر زور دیتے ہیں جیسا کہ اس شعر سے واضح ہوتا ہے :—

سمجھ دیکھ ہے سب کا آسا نراسا
مہا پُرش کسی گرو کا ہورہ توں داسا

نجات اور جنت کے متعلق کہتے ہیں : ـــ

اُس ابروپ موتی کا اُو بھید پایا
جسے رام مارگ گرو نے دکھایا

« مناچے شکوک » اور « من سمجھاون » کا مقصد چونکہ اخلاقی اصلاح تھا اور چونکہ یہ دونوں نظمیں عوام کے لئے لکھی گی تھیں اس لئے ان کا اسلوب کافی سلیس اور زبان سادہ اور عام فہم ہے ۔ « مناچے شکوک » اور « من سمجھاون » میں رام داس اور شاہ تراب نے « من » یا دل کو مخاطب کر کے شعر کہے ہیں اور انداز مخاطبت میں بھی کافی مماثلت پائی جاتی ہے جیسا کہ حسب ذیل اشعار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے ۔

منا پاپ سنکلپ سو ڈونی دھاوا
منا ستیہ سنکلپ جیوین دھراوا
منا کلپنا تے نکو ویشیا نچی
وبکارن گھٹے ہو جنیں سرو جی جی

اسی انداز میں شاہ تراب کی « من سمجھاون » کا ایک بند ملاحظہ ہو : ـــ

ارے من گگن محل کا کھاٹ چڑنا
بسر باٹ کو کھاٹ میں نہ سپڑنا
ارے من سدا نفس سرکش سوں لڑنا
ہو مایا کے دھندے منے کچھ نہ پڑنا
ارے من یہ دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

من سمجھاون کے حوالے [1] « من سمجھاون » میں شاہ تراب نے بعض مشہور شخصیتوں اور اہم مقامات کے حوالے دیئے ہیں ۔ ان حوالوں کی توضیح و تشریح ضروری ہے تا کہ « من سمجھاون » کی تفہیم میں آسانی ہو ۔ مشہور شخصیتوں میں شاہ تراب نے رام داس ، کیشو سوامی ، ستوبا سوامی یا ستوبا مہاراج اور راجہ پرتاب سنگھ کی طرف اشارے کئے ہیں ۔ جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے ۔

رام داس ! سنت رام داس مہاراشٹرا کے پانچ مشہور فلسفیوں (گیانیشور ، نام دیو ، ایک ناتھ ، تکارام ، رام داس) میں سے ایک ہیں ۔ وہ چیتر راسدھا نوامی ۱۵۳۰ شک سموت مطابق ۱۶۰۸ ع کو ضلع ستارا کے ایک چھوٹے سے قصبے جلگاؤں میں پیدا ہوئے ۔ ان کا اصلی نام نارائن تھا اور وہ اظہار عقیدت کے طور پر خود کو رام داس یعنی (رام کا خادم) کہا کرتے تھے ۔ بعد کو اُن کا یہی نام بہت مشہور ہوگیا اور اب اصلی نام سے زیادہ لوگ اسی نام سے اُن کو جانتے ہیں ابھی وہ سات سال کے تھے کہ اُن کے والد سوریا جی پنٹا کا انتقال ہوگیا ۱۵۴۲ شک سموت مطابق ۱۶۲۰ ع میں جب ان کی عمر بارہ سال تھی وہ گھر سے بھاگ کر ناسک کے قریب ٹکالی کے قصبے میں پہنچے ۔ اس واقعے کی ایک یہ بھی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کی والدہ شادی کر کے نہیں گرہستی کے بندھن میں باندھ دینا چاہتی تھیں اور اس سے گھبرا کر وہ بھاگ نکلے تھے ۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رام داس کے بھائی گنگا دھار پنٹا اُنہیں روحانیت کی طرف راغب ہونے سے منع کرتے تھے کیونکہ ابھی اُن کی عمر صرف بارہ سال ہی تھی ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو « ہندی ساہتیہ کو مرہٹی سنتوں کی دین » از آچاریہ وینا موہن شرما ۔ صفحہ ۲۱٦ ۔

رام داس تکالی میں بارہ برس تک مذہب کا مطالعہ کرتے رہے اور تپسیا کے مختلف طریقوں کا مقابلہ بھی کیا۔ اسی دوران میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن رام نے انہیں اپنا درس دکھایا۔ ۱۶۳۲ع میں رام داس نے اپنا سفر شروع کیا اور مسلسل بارہ برس تک ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے مذہبی خیالات کی تبلغ و اشاعت کے لئے گھومتے رہے۔ «رام داس اینڈ رام داسیز» کے مصنف لکھتے ہیں کہ رام داس نے کوکل، متھرا، سری نگر، رامیشور، لنکا، کارور، مہابلیشور، تاکرلی اور جنوبی ساحل کے کئی مقامات کا سفر کیا اور جگہ جگہ اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کی مدد سے مٹ تعمیر کروائے[1] آخرکار ۱۶۴۴ع میں وہ دریاے کرشنا کے کنارے آکر ٹھر گئے۔ یہاں انگاپور کے مقام پر اُنہیں گنگا کے پانی میں سے رام کی ایک مورتی ملی۔ ۱۶۴۹ع میں رام داس نے اس مورتی کو بہ مقام چاپلا نصب کردیا اور اُس کی پرشتش کرنے لگے۔ ویکنیس پرکارنا اور ہنمنت سوامی کا خیال ہے کہ ۱۶۴۹ع میں رام داس نے شیواجی کو سنگانوادی آنے کی دعوت دی اور اُن سے ملاقات کی۔ شیواجی رام داس کے مذہبی تصورات سے بہت متاثر ہوئے اور ۱۶۵۵ع میں شیواجی نے رام داس کو اپنی سلطنت کا نذرانہ پیش کرنا چاہا لیکن رام داس نے اُسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ ۱۶۷۴ع میں شیواجی کی تاج پوشی عمل میں آئی اور اُس نے پھر بمقام سجن گڈھ دوبارہ رام داس سے ملاقات کی۔ شیواجی کو رام داس سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ سمرتھ رام داس کو اپنا گرو سمجھتے تھے۔ ۱۶۸۱ع میں رام داس نے رام اور سیتا کی مورتیوں کو سجن گڈھ میں نصب کردیا۔

۱۔ رام داس اینڈ رام داسیز از ڈبرایس ڈیمنگ صفحہ ۱۳۲۔

رام داس نے ۹۔ موگھاودیا ۱۶۰۳ شک سموت مطابق ۱۶۸۱ع میں انتقال کیا۔

تصانیف | رام داس کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہمیت «داس بودھا» کو حاصل ہے۔ «داس بودھا» ۱۶۵۹ع میں اووی بحر میں لکھی گئی تھی۔ اس میں رام داس نے اپنے مذہبی تصورات اور فلسفہ کو پیش کیا ہے۔ «داس بودھا» میں مختلف فلسفیانہ نکات اور مذہبی موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ «داس بودھا» میں جن موضوعات سے بحث کی گئی ہے اُن میں سے چند یہ ہیں۔ «ستنہ گرو ہی خدا کا راستہ بتاسکتا ہے»، «کائنات کی تخلیق»، «جسم اور روح کا باہمی رشتہ»، «وجود»، «موت»، «علم اور عقل»، «آدرشک»، «چیلے کی خصوصیات»، «روحانی نشو ونما کی ضرورت»، «آتما کی حقیقت»، «تپسیا کی اہمیت»، «برھما اور عناصر کی طاقت» وغیرہ وغیرہ

«داس بودھا» کے اخر میں رام داس لکھتے ہیں کہ یہ میری شاعری نہیں، خدا کا پیغام ہے جس کی اشاعت کا میں ذریعہ بن گیا ہوں۔ رام داس خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی روحانی زندگی کو کامیاب بنا لیا وہ کہتے ہیں کہ میں دسترتھ کے بیٹے کا شکر گذار ہوں جس نے میری ہر وقت اعانت کی ہے۔

«داس بودھا» بیس (۲۰) حصوں میں منقسم ہے جن میں دو سو سماسا ہیں۔ رام داس کہتے ہیں کہ «داس بودھا» کے مطالعے کے بعد انسان پر زندگی اور کائنات کے اسرار و رُموز کھل جاتے ہیں۔

رام داس نے «بودھا» کے علاوہ «شری مناچے شلوک» اور «جنوبھاگوسواوی» بھی لکھی ہیں۔ گذشتہ صفحات میں «شری مناچے شلوک»

کا تفصیلی ذکر آچکا ہے۔ « جنسو بھاگوسواوی » زیادہ طویل نہیں۔ یہ ستر (۷۰) اشعار پر مشتمل ہے اس میں رام داس نے مکار اور دغاباز سنتوں پر سخت تنقید کی ہے اور لوگوں کی اوہام پرستی پر طنز کیا ہے، کہ وہ اپنے کمزور خیالات کی باعث سچے سنت اور چھوٹے گرو میں فرق نہیں کرسکتے۔ « جنسو بھاگوسواوی » میں رام داس کہتے ہیں کہ اپنے ہنس کو پہچاننا بہت ضروری ہے اس کے بغیر کوئی چیلا نہ گرو کو پہچان سکتا اور نہ خدا کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

رام داس کی ایک اور تصنیف « کروناشٹک » ہے جس کا طرز بیان موثر اور پُردرد ہے۔ « کروناشٹک » میں چونتیس (۳۴) بند ہیں اور ہر بند میں دو شعر ہیں اور اس کے اشعار کی تعداد اڑسٹھ (۶۸) ہے۔ « کروناشٹک » کا پہلا مخطوطہ ۱۸۱۸ع میں ملا تھا۔ یہ بھی بھوجنگا پریات بحر میں لکھی گئی ہے۔ اس کو رام داس شام کی پوجا کے وقت پڑھتے تھے اس میں بندہ خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے نجات کی دعا کرتا ہے۔ « کروناشٹک » میں مختلف موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ مثلاً رام داسیوں کے فرقے کی خصوصیات، غرور کی برائیاں، اور نجات وغیرہ وغیرہ رام داس نے اس میں کرشنا اور رام کے خوبصورت مرقعے بھی پیش کئے ہیں۔

رام داس نے والمیکی کی رامائن کو بنیاد بنا کر خود بھی ایک رامائن تصنیف کی تھی۔ رام داس کی رامائن میں بعض حصے سنسکرت اور بعض مرہٹی میں ہیں۔ اس میں اُنہوں نے زیادہ تر سوانحی اور تاریخی حالات پر زور دیا ہے۔ اس کتاب میں بعض بڑے منفرد قسم کے موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے

حکومت کے فرائض، سماجی اصلاح اور فرد اور سماج کے باہمی تعلقات وغیرہ وغیرہ[1]۔

ان مختلف تصانیف کے علاوہ رام داس نے ابھنگا بھی لکھے ہیں جنہیں ساناکار کہا جاتا ہے۔ یہ مختلف اور متنوع قسم کے موضوعات سے متعلق ہیں جیسے علم، مکتی اور گرو کی اہمیت وغیرہ وغیرہ۔ رام داس نے اپنی تصنیف « پنچا کاز » میں مختلف اخلاقی برائیوں کے نقصانات بیان کرکے اُن سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے « بھیما روپی ستوری »، « اردیو پاترک » اور « نینن منکاود ہیسنگر پاموپنا » بھی لکھی ہیں۔ رام داس کے بعض غیر مطبوعہ ادبی کارنامے بھی ہیں جن میں « پنچھی کرنا یوگا » « چترنا یوگمن » اور « منا پنچکا » قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ رام داس کے خطوط بھی مرہٹی ادب میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

کیسو سوامی یا کیشو سوامی

کیسو سوامی رام داس کے چیلے تھے اُن کا پورا نام کیسو سوامی بھاگیہ نگر کر تھا[2]۔ ان کے والد آتما رام پنت تھے جو کلیان کے پٹواری تھے۔ کیسو سوامی کی والدہ کا نام گنگا بائی تھا جو اپنے زمانے کی بڑی برگزیدہ اور پارسا خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ گنگا بائی کے متعلق مشہور ہے کہ اُنہوں نے اسی (۸۰) سال کی عمر میں کیسو سوامی کو جنم دیا تھا۔ وہ ہر سال اپنے شوہر کے ساتھ پنڈھا پور یاترا کو جایا کرتی تھیں۔ وہ کیسو سوامی کی ولادت کو اسی یاترا کی برکت سمجھتی تھیں۔

کیسو سوامی کی ولادت، اُن کی زندگی، شاعری اور وفات سب ہی باتوں پر ماورائیت کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ کیسو سوامی بچپن

۱۔ رام داس اینڈ رام داسیز۔ از ولبرایس ڈیمنگ صفحہ ۱۳۶ ایسوسیٹیڈ پریس۔ ۱۹۲۸ع
۲۔ مرہٹی گیان کوش جلد دوم۔ صفحہ ۶۹۱۔

میں گونگے تھے۔ آتما رام اور گنگا بائی اُن کے لئے بہت پریشان رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شری مت آچاریہ کلیان آئے۔ کیسو سوامی کے والدین ان کے درشن کے لئے اپنے بچے کے ساتھ اُس جنگل میں پہنچے جہاں شری مت آچاریہ کا قیام تھا۔ اُنہوں نے کیسو سوامی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُن کے کان میں کچھ کہا جس کے جواب میں کیسو سوامی نے پہلی بار اپنی زبان سے " بھگوان " کا لفظ ادا کیا اور اُن کے ماں باپ گونگے پن کے دفع ہو جانے سے بہت خوش ہوگئے۔ کیسو سوامی بڑے خوش گلو تھے۔ اپنے موزون کئے ہوئے اشعار اور بھجن بڑی پُردرد آواز میں گایا کرتے تھے۔ کیسو سوامی کی آواز میں اتنی دلکشی تھی کہ دور دور سے ان کے بھجن سننے صبح کے وقت کثیر تعداد میں لوگ جمع ہوجاتے اور جب وہ اپنی دُھن میں مست ہوکر گانے لگتے تو مجمع پر سکوت طاری ہوجاتا تھا۔

کیسو سوامی نے کلیان کے سری دھر پنت سبنس کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ یہ بھی بڑی دیندار خاتون تھیں۔ دونوں مل کر پوجا پاٹ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ نرہر سداشیو جوشی اپنی کتاب "کیسو سوامی"[1] میں لکھتے ہیں کہ عنوان شباب ہی سے ان سے معجزات ظاہر ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب کیسو سوامی بھگوان کی مورتی کے سامنے بھجن گاتے تو مورتی کے گلے کا ہار اُن کے گلے میں گر جاتا اِسی طرح کیرتن کے بعد کیسو سوامی سونٹ کے بجائے بچ ناگ بانٹتے تھے لیکن پرشاد لینے والوں پر اس کا کوئی برا اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور ایسے

۱۔ کیسو سوامی از نرہر سداشیو جوشی۔ دیباچہ۔ ہنومان پریس پونہ۔

بہت سے خرق عادت واقعات نرہر سداشیو جوشی نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں۔ لچھمی رام چندر پانگار نے کیسو سوامی کی تاریخ وفات ۱۶۰۴۔۱۰۔۱۳ پوش شدھ شک سموت بتائی ہے۔

کیسو سوامی حیدرآباد کے رہنے والے تھے چونکہ حیدرآباد کا قدیم نام بھاگیہ نگر تھا اس لئے ان کے نام کے ساتھ " بھاگیہ نگر کر " کا جزو شامل دکھائی دیتا ہے۔ کیسو سوامی، ابوالحسن تانا شاہ کے عہد میں حیدرآباد میں ایک باعزت عہدہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ کیسو سوامی کی سمادھی حیدرآباد میں موجود ہے۔ کیسو سوامی کی سمادھی سلیمان باغ کے آگے رنگ ریزوں کے مندر کے پاس موسی ندی کے کنارے ایک کھیت میں واقع ہے۔ کیسو سوامی کی سمادھی ایک سنسان اور ویران جگہ بنی ہوئی تھی جہاں ہر طرف خاردار جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ نرہر سداشیو جوشی نے اس مقام کو اپنی نگرانی میں صاف کروایا اور سمادھی پر ایک کمان بھی لگوادی۔

کیسو سوامی کی شہرت

کیسو سوامی نے اپنے زمانے میں کافی شہرت پائی تھی۔ اِن کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ وہ رام داس جیسی برگزیدہ شخصیت کے پانچ مشہور شاگردوں میں سے ایک تھے اور رام داس کے پنچائیتن[1] (پانچ چیلوں) میں اِن کا خاص مقام تھا۔ کیسو سوامی ہی رام داس کی راکھ کو گنگا لے گئے تھے جیسا کہ "رام داس اینڈ رام داسیز" کے مصنف لکھتے ہیں[2]۔

۱۔ مدھیہ یوگین چرتر کوش از سرھیشو شاستری چتراو۔ ۲۱۶۔ سرتھ بھارت پریس پونا ۱۹۳۷۔

۲۔ وابلر۔ بس۔ ڈیمنگ۔ صفحہ ۱۴۹۔ ایسوٹیڈ پریس ۱۹۲۸۔

کیسوسوامی نے اپنی روحانیت کی وجہ سے نہ صرف حیدرآباد بلکہ باہر کے مقامات میں بھی شہرت حاصل کرلی تھی - اس علاوہ وہ بحیثیت مرہٹی شاعر کے بھی بہت مشہور ہیں - کیسو سوامی کا شاہکار اُن کی کتاب "اکاوشی چرتر" ہے - اس کتاب کے علاوہ کیسو سوامی نے "ابھنگ" بھی لکھی ہے جس میں پانچ سو تا چھ سو بند ہیں - یہ کتاب بڑے حسین بھجنوں کا مجموعہ ہے - کیسو سوامی نے دکھنی میں بھی بہت سے اشعار کہے ہیں -

کیسوسوامی کے شاگرد

رام داس کی طرح کیسو سوامی کے شاگردں کی بھی خاصی تعداد تھی[1] جو حیدرآباد اور اس کے اطراف واکناف کے مقامات میں پھیلے ہوئے تھے - ان میں سے دو چیلوں نے بڑا نام کمایا ہے - ان کے نام شیو رام اور منت راج ہیں - اِن دونوں نے مرہٹی ادب میں اپنے یادگار کارنامے چھوڑے ہیں -

رام داس اور کیسو سوامی کی خط و کتابت

کیسو سوامی اور رام داس کی خط و کتابت بھی مرہٹی ادب کا ایک اہم موضوع ہے - کیسو سوامی کے بعض خطوط مسٹر دیوا کے پاس محفوظ ہیں - کیسوسوامی کا وطن حیدرآباد ، چونکہ رام داس کے مقام رہائش[4] سے دور تھا اس لئے اس خط و کتابت کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا - کیسوسوامی نے اپنے خطوط میں رام داس سے ملنے کی تمنا ظاہر کی تھی - ولبریس ڈیمنگ لکھتے ہیں کہ اُن کی درخواست پر رام داس حیدرآباد آئے تھے اور اِن کے یہاں چار مہینے قیام کیا تھا - رام داس اور کیسو سوامی کے لکھے ہوئے خطوط ڈوم گاؤں کے مٹھ میں موجود ہیں -

رام داس کے چیلوں میں ایک اور چیلے کا نام بھی کیسو تھا جو کوڈلی کے مٹھ میں منہت[1] تھے اور جو بعد میں امبراج چلے گئے تھے رام داس کی "داس بودھا" کے جو سات قلمی نسخے موجود ہیں اُن میں ایک اُنہیں کا لکھا ہوا ہے جس کا سنہ کتابت ۱۶۹۸ع ہے -

کیسو سوامی نے مرہٹی کے علاوہ دکنی میں بھی اشعار اور بھجن لکھے ہیں - اِن کی شاعری بہت سادہ اور سلیس ہے - اشعار میں روانی اور بیساختگی ہر جگہ موجود نظر آتی ہے - کیسو سوامی کے اشعار میں وہی لسانی خد و خال نظر آتے ہیں جو ابوالحسن تانا شاہ کے عہد کی خصوصیت ہیں - کیسو سوامی نے مرہٹی میں اپنی شاعری کی ابتداء سرنگار رس سے کی تھی بعد کو بھگتی رس میں میں وہ اتنے ڈوب گئے کہ تمام اشعار اور گیتوں میں بھی اخلاقی اور روحانی عنصر جھلکنے لگا - کیسو سوامی کے دکنی اشعار بھی زیادہ تراسی قسم کے ہیں اِن پر ماورائیت اور عینیت کی پرچھائیں پڑتی ہیں - اِن اشعار میں وہی موضوعات پیش کئے گئے ہیں جو عام طور پر دکن کے دوسرے صوفی شعراء کے پاس ملتے ہیں - ترک دنیا کی تعلیم ، حرص ، غصے ، طمع اور بے ایمانی سے دور رہنے کی تلقین ، دنیا کے سراب اور اُس کی بے حقیقت چیزوں کے دھوکے میں نہ آنے کی ہدایت اور عشق حقیقی میں غرق ہوکر دنیا کی مصیبتوں سے نجات پانے کا اپدیش ملتا ہے -

کیسوسوامی کے بھجن بڑے مترنم ، دلکش اور پُر درد ہوتے ہیں - شنکر کرشنا دیو ، کیسو سوامی کے مرہٹی بھجنوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ "میٹھے ، سلیس ، سریع الفہم ، اور بھگتی رس میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں" -

یہی خصوصیت ان کے دکنی بھجنوں میں بھی دکھائی دیتی ہے - ان کی زبان کافی قدیم ہونے کے باوجود آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے -

کیسو سوامی کے اکثر بھجنوں میں بندرا بن دیکھنے اور وہیں بس جانے کی تمنا ملتی ہے شاید جنوبی ہند کے قیام نے دوری کے اس احساس کو اور شدید بنا دیا تھا - کیسو سوامی کے دکنی بھجن اپنی شیرینی سلاست، بیساختگی، روانی اور اثر انگیزی کے اعتبار سے مطالعے کے قابل ہیں - مندرجہ ذیل بھجنوں سے اِن کی شاعری کی مذکورہ بالا خصوصیات کا اندازہ ہوسکتا ہے : —

(۱) گھر گھر عمل سب جن کھاوے، سو کھی نہ ماہی او ترجیاوے
بازی گیری رنگ دکھاوے، ایسا عمل مجے نہیں بھاوے
تو گرُو کا عمل کھارے بھائی اس عمل کوں بہوت میٹھائی
گرو کرپا میں کیسو لذت پایا تو اپنی سُد آپ گنوائی
ست گرو ناتھ کا عمل ست اِس عمل میں صاحب دست
مد سادھو کھاتے سمست تو گھر بیٹھے پاوے بست
گروکرپا میں کیشو عمل دار عمل دکھاتے اپنا دیدا و
تم لیجیو بھائی ایک ہی بار اس عمل کوں چڑنا او تار

(۲) کیا کہوں مائی، اب ہری سکھ پائی
سب ہی گیت میری ہری نے چُرائی
ہری گن مالا پہنی ہوں میں
ہری کے چرن نزدک رہوں مدھو بن میں
نش دن من میں ہری شوں لگائی
ہری کے بھجن سوں پران جگائی
ہری سوں بندھ رہی جگ سوں میں بگڑی
کیشو سائیں کے سنگ سب بسری

من سمجھاون میں کیسو سوامی کا حوالہ

شاہ تراب نے «من سمجھاون» میں کیسو سوامی کی طرف بعض جگہ اشارے کئے ہیں - مثلاً ایک جگہ شاہ تراب لکھتے ہیں کہ اگر رام داس اور کیسو سوامی ہوتے تو وہ میرے درد کو سمجھ سکتے تھے - سماج کی پست اخلاقی حالت کو سدھارنے کی میں نے جوسعی کی ہے اور اس کے لئے جو دکھ درد میں نے سہے ہیں وہ اُن کو سن کر میرے ساتھ ہمدردی کرتے اور میرے حال پر آنسو بہاتے تھے اور آج کل کے لوگوں کی بے دینی اور ان کے پست کردار کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے : —

اگر رام داس اور کیسو داس ہوتے
ہمارا یو دکھ درد وو سن کو روتے
تراب میں تراب ہوکے مد بدگنواتے
یہی بول مے بن سکل دل سے دہوتے
ہمیں ہم کون ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمیں ہم کون ہم دیکھ ہمکون گنوائے

مندرجہ بالا اشعار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ تراب خود کو رام داس اور کیسو سوامی کا ہم خیال تصور کرتے تھے اور کیسو سوامی اور رام داس کی قبیل کے لوگوں میں اپنا شمار کرتے تھے - اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہوگی کہ شاہ تراب بھی اِن دونوں کی طرح اخلاقی تنزل اور روحانی انحطاط کو دور کر کے لوگوں میں روحانیت، خلوص اور صداقت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے - اگر شاہ تراب اپنے آپ کو رام داس اور کیسو سوامی کا ہم خیال اور

ہم مقصد نہ سمجھتے تو پھر اُنہیں اس انداز سے یاد نہ کرتے تھے۔ شاہ تراب، کیسو سوامی، رام داس اور خود کو ایک ہی نصب العین کے تحت کام کرنے والوں کے زمرے میں شامل کرتے ہیں "رائز آف مرہٹہ پاور" کے مصنف رانا ڈے لکھتے ہیں کہ کیسو سوامی اُن لوگوں میں سے تھے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی خیالات میں ہم آہنگی پیدا کی۔ وہ مساوات اور اخوت کی جڑیں مظبوط کرنا چاہتے تھے[1]۔

ایک اور جگہ "من سمجھاون" میں شاہ تراب اپنے خیالات کی صداقت اور معقولیت کی اس طرح داد طلب کرتے ہیں:—

تراب نے نہیں جھوٹ اے بات بوجا
مہادیو ہور رام میں نہیں ہے دوجا
اہس کا اپی آکو کرتا ہے پوجا
پوچھو رام داس اور کیسوداس کو جا

شاہ تراب اس بات پر افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ اب میں رام داس اور کیسو سوامی سے ملاقات نہیں کرسکتا اگر وہ دونوں موجود ہوتے تو اُنہیں سامنے بیٹھا کر میں اپی پُردرد کہانی سناتا۔ میری ادبی کاوش "من سمجھاون" کی وہی داد دے سکتے تھے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں "من سمجھاون" اُنہیں ضرور دکھاتا:—

کہاں رام داس ہور کیسوداس پاؤں
میرا درد غم سب بیٹھا کر سناوں
لیجا کر مرے اس بچن کوں دکھاوں

۱۔ ۱۴۷۔ پانی کر اینڈ کو۔ بمبئی۔ سنہ ۱۹۰۰ع۔

شاہ تراب "من سمجھاون" میں کیسو سوامی کو کیسوداس کہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ رام داس کی مناسبت سے کیسو سوامی کے بجائے کیسوداس لکھتے ہیں۔ اگر یہ کوئی اور سنت ہوتے تو شاہ تراب ہر جگہ رام داس کے ساتھ ان کا نام نہ لیتے تھے۔ کیسو سوامی سے شاہ تراب کا واقف ہونا اور اُن کی سچی لگن اور اصلاحی مساعی سے متاثر ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں معلوم ہوتی کیونکہ جنوبی ہند میں کیسو سوامی، رام داس کے خاص چیلے کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتے تھے اور جنوب کے علاقوں میں رام داس کی تعلیمات کی اشاعت کا سہرا اِن ہی کے سر تھا۔ گویا وہ جنوبی ہند میں رام داس کے قائم مقام اور جانشین سمجھے جاتے تھے۔ کیسوداس نامی کسی اور سنت کا پتہ نہیں چلتا۔

بھیما سوامی | "من سمجھاون" میں شاہ تراب کہتے ہیں کہ اگر رام داس اور کیسو سوامی ہوتے تو وہ میری اس تصنیف کو پڑھکر خوش ہوتے اور اس کی داد دیتے تھے۔ وہ تو نہیں رہے کیا میں بھیما سوامی کے پاس جا کر اپنے کلام کی داد پاؤں:—

لیجا کر میرے اس بچن کو دکھاؤں
اگر نہیں تو بھیما سوامی پاس جاؤں

شاہ تراب نے "من سمجھاون" تنجور میں لکھی تھی۔ تنجور اُس زمانے میں رام داس کی تعلیمات کا اہم مرکز بنا ہوا تھا۔ بھیما سوامی بھی رام داسی تھے اور چونکہ شاہ تراب نے "مناچے شلوک" کی طرز میں

«من سمجھاون» لکھی تھی اس لئے وہ بھیما سوامی رام داسو سے اپنے اس شعری کارنامے کی داد چاہتے ہیں ولبریس ڈیمنگ کہتے ہیں کہ بھیما سوامی ساہاپور کے رہنے والے تھے[1] اُنہوں نے اپنی روحانیت اور نیکی کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کرلی تھی - بعد میں بھیما سوامی کو تنجور کے مشہور مٹھ کا مہنت بھی بنا دیا گیا تھا - شاہ تراب نے چونکہ تنجور ہی میں "من سمجھاون" لکھی تھی اس لئے وہ تنجور کے مٹھ کے مہنت سے داد تحسین حاصل کرنا چاہتے ہیں اور رام داس اور کیسو سوامی کی عدم موجودگی میں بھیما سوامی کی ذات کو غنیمت سمجھتے ہیں - بھیما سوامی بحیثیت ایک سچے رام داسی کے عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - اُنہوں نے رام داس کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان کے اُصولوں کی پیروی کرنے کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کرلی تھی اور اسی لئے اُنہیں اتنے شاندار مٹھ کا مہنت بنایا گیا تھا یہ رام داسیوں کی نظر میں کوئی معمولی اعزاز نہ تھا -

بھیما سوامی رام داس کے خاص چیلوں میں سے تھے - رام داس کی سب سے مستند سوانح عمری بھیما سوامی ہی کی لکھی ہوئی ہے جس کا نام «بھگتمن جلی» ہے لیکن اس کا کوئی مکمل نسخہ آج مکمل دستیاب نہیں ہوتا - یہ سوانح عمری اس لئے بھی اہم سمجھی جاتی ہے کہ رام داس کی کوئی اور سوانح اُن کی وفات کے بعد ہی نہیں لکھی گئی ہے - بھیما سوامی کو بھیما سوامی ساہاپورکر کہتے تھے کیونکہ (جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے)

---

۱ - رام داس اینڈ رام داسیز صفحہ ۱۰۵ -

وہ ساہاپور کے رہنے والے تھے - جو میسور سے دو میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے - بھیما سوامی ۱۶۷۵ع میں تنجور چلے آئے تھے اور یہاں اُنہوں نے ایک مٹھ بھی تعمیر کروایا تھا - بھیما سوامی شاعر بھی تھے ولبریس ڈیمنگ لکھتے ہیں کہ راجا پرتاب سنگھ کے کاغذات میں سے شری راج و بدکو تین کاغذات ایسے ملے ہیں جن پر اووی بحر میں بھیما سوامی ساہاپورکر کی ایک نظم تحریر کی گئی ہے - اس نظم میں اُنہوں نے رام داس کے واقعات وفات کی تفصیل بیان کی ہے - یہ نظم پچاس اشعار پر مشتمل ہے -

رام داس کے بعض چیلے ایسے تھے جو محض اپنی علمیت اور قابلیت کی وجہ سے مشہور ہوئے ہیں - اِن میں ومن پنڈت ، اننا جی ، موسل رام گو سوامی اور بھیما سوامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ہنمنت سوامی کا بیان ہے کہ بھیما سوامی رام داس کی وفات کے تین دن بعد سجن گڈھ چلے آئے تھے اور یہیں اُنہوں نے اپنی مشہور سوانح تصنیف کی تھی - اس سوانح کا مخطوطہ سب سے پہلے چھاچول مٹھ سے دستیاب ہوا تھا -

راجہ پرتاب سنگھ | شاہ تراب نے «من سمجھاون» میں راجہ پرتاب سنگھ کا بھی حوالہ دیا ہے - ستوبا مہاراج کو مخاطب کرکے وہ کہتے ہیں کہ آپ تو پرتاب سنگھ کے گرو کہلاتے ہیں اور برہمنوں کو دان دینے اور کھانا کھلانے کے لئے مشہور ہیں - آپ اپنے دل کو مایا کے فریب سے بچائے رکھتے ہیں - میری طرف بھی نگاہ کرم کیجئے : ــ

گورو اُو تو پرتاب سنگھ کے کلاتے
سدا باہنا کو رسوی کھلاتے
اُو داتار نت دان سب کو دلاتے
نہیں من کوں مایا کے جھانسے میں بھاتے

پرتاب سنگھ، تنجور کے مشہور مرہٹہ راجہ گزرے ہیں۔ وہ تنجور کے آخری بڑے راجا تھے۔ ونکاجی، شاہ جی اور سرا بھوجی کی طرح پرتاب سنگھ بھی تنجور کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ پرتاب سنگھ کے عہد حکومت میں محمد علی اور انگریز ارکاٹ پر قابض تھے۔ پرتاب سنگھ کے آخری زمانہ حکومت میں چندا صاحب نے تنجور پر حملے شروع کر دیئے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور کلائیو پرتاب سنگھ کو ہزمیجسٹی کہہ کر یاد کیا کرتے تھے[1]۔ اور اُنہیں ایک آزاد اور خود مختار راجہ تسلیم کرتے تھے۔

پرتاب سنگھ ایک بہادر، خوبصورت اور نیک راجہ تھے۔ وہ بڑے روادار اور وسیع النظر تھے۔ اُنہوں نے ناگور میں مسلمانوں کے لئے ایک مسجد تعمیر کروائی تھی جس کے لئے پندرہ گاؤں وقف کردیئے تھے۔ پرتاب سنگھ نے غریبوں کو کھانا کھلانے کے لئے تنجور، مانامیلکڈی، دار آسرم اور اما چترم میں کئی طعام خانے تعمیر کروائے تھے جن میں ہر طبقے اور ہر مذہب کے لوگ کھانا کھاتے تھے۔

پرتاب سنگھ نے ۱۷۳۹ع تا ۱۷۶۳ع تک تنجور پر حکوت کی وہ تنجور کے چوتھے راجہ تھے۔ پرتاب سنگھ انگریزوں کے طرفدار تھے اور فرانسیسوں سے اُن کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ ۱۷۵۲ع میں جب محمد علی دشمنوں میں گھر گئے تو نندجا اور مراری کی طرح پرتاب سنگھ نے اُن کی کمک کی اور ۵ ہزار سواروں اور ۳۰ ہزار سپاہیوں کو محمد علی کی مدد کے لئے روانہ کیا جس کی بدولت محمد علی

۱۔ مرہٹہ راجاز آف تنجور۔ کے۔ آر سبرامنیم۔ صفحہ ۴۷۔ ہکسانے پریس۔ مدراس ۱۹۲۸ع۔

نے ترچنا پلی پر قبضہ کر لیا اور فرانسیسی کماندار لارنس کو شکست اُٹھانی پڑی۔

۱۷۵۸ع میں لالی نے تنجور پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسی پرتاب سنگھ کے بجائے اپنے نامزد شخص کو تنجور کے تخت پر بیٹھانا چاہتے تھے۔ انگریزوں کی فوجی طاقت سے فرانسیسی افواج گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ آخر کار ۱۷۶۱ع میں پانڈچری کے محاصرے میں فرانسیسی فوج کو پوری طرح ختم کر دیا گیا۔ اور اُنہیں زبردست شکست اُٹھانی پڑی راجہ پرتاب سنگھ نے اس سات سالہ جنگ میں اپنے چھ سو سپاہی انگریزوں کی کمک کے لئے روانہ کئے تھے اور اس محاصرہ میں انگریز سپاہیوں کی خوراک کا بھی انتظام کیا تھا جیسا کہ کے۔ آر سبرامنیم اپنی کتاب "مرہٹہ راجاز آف تنجور" میں لکھتے ہیں۔

پرتاب سنگھ کے آخری زمانۂ حکومت میں محمد علی اور انگریزوں سے اُن کی ان بن ہوگئی اور تنجور کی حکومت اُن کی نظر میں کھٹکنے لگی۔ پرتاب سنگھ کو ۲۲ لاکھ روپیے بطور خراج ادا کرنے پڑے اور سالانہ چار لاکھ کا خراج ادا کرنے کا تصفیہ ہوا۔

پرتاب سنگھ کا انتقال ۱۶۔ ڈسمبر ۱۷۶۲ع[1] میں ہوا۔ راجہ کے انتقال پر اس کی تیسری اور پانچویں بیوی نے ستی کی رسم ادا کی۔ پرتاب سنگھ کے بعد اُن کا بیٹا تلجاجی تنجور کے تخت پر بیٹھا۔

۱۔ دی مرہٹہ راجاز آف تنجور۔ کے۔ آر سبرامنیم صفحہ ۵۷۔

ستوبا مہاراج یا ستوبا سوامی

شاہ تراب نے «من سمجھاون» کے بارھویں حصے میں ستوبا مہاراج کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس بارھویں حصے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر بند میں ستوبا مہاراج کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ دو مصرعے دہرائے گئے ہیں :—

ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید پانی کرے دل

شاہ تراب «من سمجھاون» میں ستوبا مہاراج کی اکثر جگہ تعریف کرتے ہیں ۔ اُنہوں نے ستوبا مہاراج کے متعلق سب سے پہلی بات یہ بیان کی ہے کہ وہ بڑے خدا ترس اور نیک انسان ہیں ۔ وہ دنیا کے جنجال میں کبھی نہیں پھنستے ، وہ ہمیشہ بھگوان کی یاد کا دیپ اپنے دل میں روشن رکھتے ہیں ۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ ستوبا سوامی کی زبردست روحانیت اور اُن کی عظمت کو دیکھ کر میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ رام کے اوتار ہیں ۔ وہ سب سے «افضل» ہیں اور سب کی «رکھوالی» کرنے والے ہیں ۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ تنجور میں ستوبا مہاراج کی حیثیت ایک دانا کی ہے ۔ اُنہوں نے ستوبا سوامی کے علم و فضل کی بھی بڑی تعریف کی ہے اور کہتے ہیں کہ وہ پران اور دوسری مذہبی کتابوں پر عبور رکھتے ہیں :—

میں سمجھا ہوں ان کوں سچے رام اوتار
کہ سب میں اچھے ہور سب سوں نگھدار
اہیں اُو تنجاور کے درمیان دانار
پران ہور پستک میں ہیں بہوت ہوشیار
ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید پانی کرے دل

شاہ تراب کہتے ہیں کہ میں تنجور اس لئے آیا تھا کہ میں نے یہاں کے عالم ستوبا مہاراج کے علمی تبحر کا چرچا سنا تھا لیکن افسوس کہ اب تک مجھے اُن کا درشن نصیب نہیں ہوا :—

ستوبا کا سن نام اس دیس آیا
وائے اب تلک درس اُن کا نہ پایا

شاہ تراب بھیما سوامی ، رام داس اور کیسو سوامی کی طرح ستوبا مہاراج سے بھی اپنی ادبی تخلیق «من سمجھاون» کی داد طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ستوبا مہاراج میرے کلام کو سن کر اس کی داد دیں گے میں تب اُن کا چیلا کہلاؤں گا :—

بچن سن کے دیویں گے جب داد میرا
دیکھو جب کلاؤں گا میں اُن کا چیلا
ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید پانی کرے دل

آخر میں شاہ تراب ، ستوبا مہاراج سے اُن پر «دیا» کرنے کی درخواست کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ستوبا سوامی میں تمہارے نگر تنجاور میں رام کا نام لینے آیا ہوں تم عقلمند ہو کر میرا حال کیوں نظر انداز کرتے ہو :—

دیا ہور میا اب کرو اپنا بارے
لیکر رام نام آ نگر میں تمہارے
چتر ہو کہ کیوں حال میرا بسارے

ستوبا سوامی، تنجور کے ایک ایسے مشہور سنت اور سنیاسی گزرے ہیں جن کا جنوبی ہند میں دور دور تک چرچا تھا۔ ستوبا سوامی تنجور کے چوتھے راجا پرتاب سنگھ کے گرو تھے۔ کے۔ آر سبرامنیم «دی مرہٹہ راجاز آف تنجور» میں پرتاب سنگھ کے بیٹے اور جانشین تلجاجی کی وسیع النظری اور اُن کی مذہبی رواداری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تلجاجی اپنے والد پرتاب سنگھ کے گرو ستوبا سوامی کے بیٹے نانا گوسوامی کے چیلے تھے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ستوبا سوامی راجہ پرتاب سنگھ کے گرو تھے[1]۔ تنجور کے دوسرے مرہٹہ راجہ شاہ جی کے زمانے ہی سے یہاں کے راجا ستوبا سوامی کے خاندان اور ان کے سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کے مرید تھے۔ ستوبا سوامی کا خاندان برسوں سے تنجور میں رہا کرتا تھا۔ ستوبا سوامی اور اُن کے آباواجداد ادویتا سنیاسی تھے اور خود ستوبا سوامی اور نانا گوسوامی بھی اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ ان کے خاندان پر تنجور کے مرہٹہ راجہ بہت مہربان تھے۔

تنجور

تنجور کو تاریخی اعتبار سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ شہر چولا راجاؤں کی راج دھانی رہ چکا ہے۔ اس شہر کے نام کے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں۔ جگدیش ایر نے اپنی کتاب میں ایک روایت یہ بیان کی ہے ما قبل تاریخ زمانہ میں یہاں ایک زبردست راکشش رہا کرتا تھا۔ جس کا نام تنجن تھا۔ یہ راکشش لوگوں کو بہت ایذائیں پہنچایا کرتا تھا۔ اور سب اس سے خوفزدہ اور بیزار تھے۔ اس کو زیر کرنے کے لئے وشنو، نیلا مرگا پرمل کی صورت

۱۔ دی مرہٹہ راجاز آف تنجور۔ کے سبرامنیم صفحہ ۹۶۔

میں نمودار ہوئے۔ اس کی یادگار کی طور پر جو مندر تعمیر کیا گیا تھا وہ تنجور سے دو میل شمال کی جانب واقع ہے۔ وشنو نے اس راکشش کو مار ڈالا تھا جس کی وجہ سے اس مقام کا نام تامل میں تن جانی یا تنجور پڑ گیا ہے[1]۔

تنجور میں مختلف حکومتیں برسر اقتدار رہی ہیں۔ یہاں چولا نانک، مرہٹہ، مسلم اور انگریز حکمرانوں نے اپنے نقش قدم چھوڑے ہیں۔ شاہ تراب مرہٹوں کے عہد حکومت میں تنجور آئے تھے۔ ونکوجی تنجور کا پہلا مرہٹہ راجا تھا جس نے ۱۶۷۶ع میں یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ ونکوجی تنجور کی مرہٹہ حکومت کے بانی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ وہ شیواجی کے بھائی تھے۔ شاہ تراب نے «من سمجھاون» میں تنجور کا جو ذکر کیا ہے وہ چوتھے طاقتور مرہٹہ راجا پرتاب سنگھ کے زمانۂ حکومت کا ہے۔ «من سمجھاون» میں شاہ تراب کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ستوبا سوامی سے ملاقات کرنے کی غرض سے تنجور کا سفر کیا تھا (اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے)۔ تنجور ہی میں شاہ تراب نے رام داس کی «مناچے شلوک» سنی تھی جس سے متاثر ہوکر اُنہوں نے «من سمجھاون» لکھی تھی۔

اس زمانے میں تنجور، رام داس کی تعلیمات کی اشاعت کا ایک اہم مرکز سمجھا جاتا تھا۔ تنجور کا علاقہ رام داس کے مذہبی اور سماجی تصورات سے متاثر ہوا تھا۔ یہاں رام داسیوں کے کئی مٹھ موجود تھے جیسا کہ «رام داس اینڈ رام داسیز» کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے۔ یہ شاہ تراب کہتے ہیں کہ تنجور میں لوگوں نے میرے

۱۔ ساوتھ انڈین شرائنس۔ جگدیش ایر۔ ۱۱۲۔

شاہ تراب کی « من سمجھاون » میں صرف مذہبی اور متصوفانہ نکات ہی کی تشریح نہیں ملتی بلکہ اس میں سماجی اور اخلاقی قدریں بھی موجود ہیں ۔ زندگی کی سدا بہار اور ابدی قدروں اور حیات کے عظیم نصب العین کی بلندیوں کو چھولینے کی تمنا ہے اور مادیت کم مایہ اور پرفریب مظاہر کے دھوکے میں نہ آنے کی تلقین ہے ۔ « من سمجھاون » میں کوئی عظیم فلسفیانہ تصور پیش نہیں کیا گیا ہے لیکن اس نظم کی اخلاقی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ « من سمجھاون » میں جو عبادت و ریاضت، توکل، قناعت، استغناء اور صبر و رضا پر زور دیا گیا ہے اس سے اخلاقی اور سماجی اصلاح مقصود ہے ۔

شاہ تراب نے اپنی دوسری تصانیف کی طرح « من سمجھاون » میں بھی کھوکھلی روحانیت اور نمائیشی پارسائی کا مذاق اُڑیا ہے اور ظاہرداری سے بچنے کی تعلیم دی ہے ۔ « گلزار وحدت » میں خود ساختہ مرشدوں اور پرفن و مکار شیوخ اور اُن کی مصنوعی روحانیت کا اس طرح مذاق اُڑاتے ہیں :—

اتا کی پیر ہیں سب طالب زر
ہے پیری اُن کی دستار مدور
کمال فخر اُو منحوس تھیلا
بظاہر پاک اندر دل ہے میلا
عجب صیاد ہے نادر شکاری
نہ چھوڑیں کیا ہزاری کیا بھکاری
مبارک تھیلہ وو شملہ عجب ہے
کمال شعبدہ بازی اُو سب ہے
نہیں ہے آستیں کا انتہا حد
عمر عیار کی زنبیل[٩] ہے مرد

علم و فضل کی قدر نہیں کی حالانکہ میں کبیر جیسا گیانی قلندر ہوں ۔ میں اکثر لوگوں کی زبانی تنجور والوں کی مذہب پرستی کی تعریف سن کر یہاں آیا تھا :—

سمجھ کر ہندو راج آیا تنجور
سکل جگ کے منہ سے دھرم راج سن کر
و لیکن مجے کوئی بلایا نہیں گھر
سمجھ کر کبیرا سا گیانی قلندر

من سمجھاون کی ادبی اہمیت

« من سمجھاون » کا سنہ تصنیف ١١٧١ھ ہے[١] ۔ اس زمانے کے دوسرے ادبی کارناموں سے جب ہم « من سمجھاون » کا مقابلہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی تصنیف نہیں جسے ہم باسانی نظر انداز کرسکیں ۔ رام داس جیسے مشہور اور بلند پایا فلسفی و شاعر کے مقبول عام شعری کارنامے « مناچے شلوک » کو اپنے انداز میں دکنی میں منتقل کرنے کا خیال بجائے خود بہت اہم اور منفرد ہے ۔ دوسری زبانوں کے مشہور مفکروں اور حسن کاروں کی تخلیقات کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کی اہمیت کا احساس آج بھی بہت عام نہیں اور ایسی کتابوں کی تعداد نسبتاً کم ہے جو دوسری زبانوں کے عظیم ادبی اکتساب سے اثر پذیر ہوکر لکھی گئی ہیں ۔ اس لحاظ سے « من سمجھاون » دکنی ادب میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے ۔

١ ۔ ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات ۔ انجمن ترقی اُردو علی گڈھ ۔

اسی طرح شاہ تراب نے «من سمجھاون» میں اُن لوگوں پر طنز کیا ہے جو روحانی رہبری کا دعوی کر کے لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ ایسی «خود نمائی» کرنے سے عبادت ترک کر دینا بہتر ہے۔ شاہ تراب اپنے متعلق کہتے ہیں :—

نہ صوم و صلواۃ کر کسی کو دکھلاون
نہ جھوٹی عبادت کی شیخی جتاون
نہ دل کو دُکھا کر میں ظالم کلاون
نہ کس گھر نمازی کلا کر ڈباون

ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں :—

بسر گرو دہن مال اوپر مت متاتے
بنا مشغلہ کوی بیری جتاتے
ذرا بھید اس کا تو کچھ نہیں بتاتے
سب ہی دیکھ کہتے نہیں بھید پاتے

شاہ تراب کا خیال ہے کہ صرف مندر میں پوجا کر کے یا مصنوعی عبادت کے ذریعے سے ہم بھگوان یا خدا کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اُسے پاسکتے ہیں۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ خدا کو مندر میں ڈھونڈو نہ مسجد میں خدا کا جلوہ دیکھنا ہے تو اپنے دل کو دربن بنا لو۔ بھگوان تو من کے مندر میں رہتا ہے اُسے باہر ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرو۔ اِسی خیال کو رام داس نے «مناچے شلوک» میں پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تیرے گھر میں کام دھنیو ہے[1] اور تو چھاچھ مانگنے اِدھر اُدھر بھٹکتا

1۔ کام دھنیو ایسی گائے سمجھی جاتی ہے جو ہماری ہر تمنا پوری کر سکتی ہے۔

پھرتا ہے تجھے صحیح اقدار کا علم نہیں ہے تو چنتامنی[1] کو کانچ کا ٹکڑا سمجھ کر توڑ دیتا ہے :—

گھر بن کام دھنیو پڑھیں تاک ماگے
ہری بودھ سانڈونی وے واد لاگے
کریں سار چنتامنی کاچ کھنڈ لے
تیا ما گاتاں دیت آہے اودنڈے

اِسی خیال کو ہندی کے ایک شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے کہ ہمارا محبوب تو ہمارے من مندر میں بیٹھا ہوا ہے لیکن ہم اُس سے بیخبر ہیں اور اُس کو اِدھر اُدھر ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہماری حالت اُس ہرن کی سی ہے جس کی ناف میں مشک بھرا ہوتا ہے اور وہ مشک کی خوش بو سونگھ کر اُسے ڈھونڈنے کے لئے چوکڑیاں بھرنے لگتا ہے لیکن اُس کو اِس کا علم نہیں ہوتا کہ مشک خود اُس کے جسم میں موجود ہے :—

تیرا سائیں تجھ میں جئے پو ہو بن میں باس
کستوری کا مرگ جیوں پھر پھر ڈھونڈے گھانس

اس خیال کو «ظہور کلی» میں شاہ تراب نے بالکل اسی انداز میں پیش کیا ہے :—

شہرگ گردن سون اُو یوں پاس ہے
جیون گل خوشبو میں پنہاں باس ہے

1۔ چنتامنی ایک ایسا پتھر سمجھا جاتا ہے جس سے ہماری ہر مراد پوری ہوسکتی ہے۔

«من سمجھاون» میں بھی شاہ تراب نے اس خیال پر زور دیا ہے کہ خدا کو اپنے دل میں ڈھونڈنا چاہیئے۔ وہ نہ مندر میں ملتا ہے نہ مسجد میں اور نہ صحرا اور گلستان میں اُس کا پتہ چل سکتا ہے:—

نکو رام کوں ڈھونڈ چمنے چمن میں
نہ سمدور میں نہ تو ساتوں گگن میں
جگاجوت اس کا چھ ہے سب رخن میں
بھرا آتما رام ہر اک کے تن میں

یا ایک اور جگہ کہتے ہیں:—

منور سجا عرش اکبر کہتے ہیں
ارے من تجے رام کا گھر کہتے ہیں

شاہ تراب کہتے ہیں کہ جب میری غفلت دور ہوئی اور میری آنکھیں کھل گئیں تو مجھے اپنے «موہن» کا «درس» نظر آنے لگا:—

کنارا کیا دیو دیول ستی اب
دسیا دیو دیول میرے تن منے جب

یا ایک اور جگہ شاہ تراب کہتے ہیں:—

دیکھو قلب مومن کا گھر ہے خدا کا
جھلکتا ہے یاں نور انور خدا کا

تصوف کو بعض وقت «ذہنی ردعمل» سے بھی تعبیر کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عیش پسندی، حرص و ہوس، طمع، خود غرضی اور

بدی کے خلاف یہ ایک طرح کی مہم ضرور ثابت ہوا اور پاکیزگی نفس، اخلاقی بلندی اور جذباتی تطہیر کا ایک موثر ذریعہ بن گیا۔

«من سمجھاون» میں شاہ تراب نے دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کے بڑے اچھے مرقعے پیش کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سنسار جھوٹا ہے اور یہاں کی ساری رنگینیاں عارضی ہیں ان نظاروں کو دائمی سمجھ کر ان میں محو ہو جانا محض نادانی اور بے وقوفی ہے:—

ارے فانی سرا کچھ وفادار نہیں ہے
یہاں کوئی دائم رہن ہار نہیں ہے
برے وقت کا کوئی دلدار نہیں ہے
چمن باغ کثرت یو درکار نہیں ہے
مسافر ہو نکلے ہیں دو دن سفر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کوں

یا ایک اور جگہ کہتے ہیں:—

ارے من توں مایا میں چپ عمر کھو مت
بیزان بات دے سر کو پچھتا کے رو مت
بدی کے تخم باغ من کے میں بو مت
بسر گیان کوں کا سوچی زوپ سو مت

جو کوی عاشق پاک بدنام ہیگا
وہی ساقی بزم گلفام ہیگا

شاہ تراب نے اخلاقی برائیوں سے بچنے کی تلقین کی ہے اور وہ « من سمجھاون » میں اکثر جگہ « مایا » کے « دھندے » میں « پڑکر » « سدھ بدھ » نہ کھونے کی ہدایت کرتے ہیں ۔ « مناچے شلوک » میں رام داس نے شڈری پو کی مضرت رسانی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے ۔ وہ دنیا کی لذتوں اور آرائشوں اور دنیوی مال و دولت پر غرور نہ کرنے کی تعلیم دیتے ہیں ۔ « من سمجھاون » میں شاہ تراب نے بھی بار بار ان ہی خیالات کو پیش کیا ہے :—

اچھا دیکھ چیرا کسی کے توں سر پر
آپس کو نہیں کر کو حسرت نکو کر
نہیں کام آنے کا یہ حرص آخر
بقا جان فانی سرا کا سکل گھر
مدامی سمجھ کر آپس کا ٹھکانہ
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانہ

ایک اور جگہ دولت دنیا کو « کانٹا » بتاتے ہوئے کہتے ہیں :—

نکو کر نکو بہوت کلکوت دولت
بوری ہے بوری ہے یو دولت کی غفلت
کنکر اور کانٹا ہے دولت کی صورت

شاہ تراب کہتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے دل سے اپنی محبت دور نہ کرے اُس وقت تک خدا کی محبت اس میں جاگزیں نہیں ہو سکتی اور عشق حقیقی جگہ نہیں پاسکتا اس لئے خدا کو پانے کے لئے سب سے پہلے

خود کو کھو دینا ضروری ہے ۔ مادی علائق سے رشتہ توڑ لینے کو شاہ تراب سلوک کا پہلا زینہ سمجھتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان « رزی کسوتاں ہیں سنگارا کرتا » اور « اپنے تن » پر غرور کرکے « چھاتی اوتانی » کرکے چلتا ہے لیکن مادی چیزیں اتنی بے حقیقت اور ناپائدار ہوتی ہیں کہ چند ہی دنوں میں ان کی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے اور جس چیز کو انسان مایہ ناز اور باعث افتخار سمجھتا ہے اُسی سے ایک دن وہ شرم محسوس کرنے لگتا ہے :—

ارے من نہ ہاتی ہے تیرا نہ گھوڑا
نکو بھول چپ دیکھ کر زر کا جوڑا
ارے کل کوں ہوے گا تجہ تن میں کوڑا
نکو ہو تو کوتوال قاضی کروڑا
ارے من توں دھن مال پر نہ اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

« من سمجھاون » میں شاہ تراب نے برج اور سیاروں کے اثرات اور ان کی خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ شاہ تراب کی دلچسپی کا خاص موضوع معلوم ہوتا ہے ۔ اُنہوں نے « ظہورکلی » اوو « گنج الاسرار » میں بھی اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے ۔ « من سمجھاون » میں شاہ تراب جدی ، دلو ، کیوان ، برجیس ، حوت ، زحل ، عقرب ، ثور ، میزان ، سنبلہ ، جوزا ، عطارد ، مریخ اور زہرا کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے اثرات اور ان کی حقیقت کو سمجھنا اور ان سے واقفیت حاصل کرنا انسان کے لئے ضروری ہے ۔ اس علم کے بغیر انسان جاہل رہ جاتا ہے لیکن اس علم کو سیکھنے اور اُس کے رموز و غوامض سے واقفیت

حاصل کرنے کے لئے «ست گرو» کی رہبری کی ضرورت ہے اور اُسی کے «چرنوں» میں رہ کر ہم علم و معرفت کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہیں:—

اہے دلو جدی دو کیوان کے گھر
کے برجیس کوں قوس ہور حوت خوش تر
حمل اور عقرب میں بہرام سرور
دیا ثور و میزان کوں زہرانے زیور
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

عطارد لیا سنبلہ ہور جوزا
اسد جائے خورشید سرطان میں چندا
اگر کس گرو سیتی اے بھید سمجھا
ہوا ست گرو کا سچا توں چیلا
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

رام داس نے «داس بودھا» میں لکھا ہے کہ اپنشد میں بھی گرو کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا گیا ہے کیونکہ اس کے وسیلے سے ہم انبات کے رموز کو سمجھ سکتے ہیں۔ «مناچے شلوک» میں بھی بار بار رام داس گرو سے ربط پیدا کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ «من سمجھاون» میں شاہ تراب نے بھی اس تصور پر زور دیا ہے۔ شاہ تراب لکھتے ہیں کہ کاشی، بنارس تربتی اور گنگا کو جا کر پوجا پاٹ

کرنا اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنا بیکار ہے گناہوں کو دھونا اور اُن سے نجات پانا ہو تو گرو کی تلاش کرنی چاہئے وہ ہماری صحیح رہبری کر سکتا ہے :—

نہ کاسی بنارس نہ جا تربتی کوں
نہ گوداوی جا نہ بھاگی رتی کوں
نہ گنگا نہ جمنا نہ جا سرسوتی کوں
کہیں ڈھونڈ کر پا گرودھن پتی کوں
ارے من ستابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

«من سمجھاون» میں شاہ تراب نے نام نہاد برہمنوں اور شیوخ پر طنز کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گیان حاصل کرنے اور شکتی، مکتی اور نروان پانے کے لئے گرو کی رہنمائی کی بڑی اہمیت ہے اور اس سے بڑی بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں لیکن گرو یا پیر کو صحیح معنٰی میں رہبر کامل اور اردشک گرو ہونا چاہئے :—

کتے لے کو تسبیح منکے پھیراتے
بڑے پاک زاہد نمازی کلاتے
ولے من کی منکیاں کا نہیں بھید پاتے
سدا می پنے میں آپس سد گنواتے

شاہ تراب نے حقیقی قلندر اور سچے گرو کی یہ پہچان بتائی ہے کہ وہ شاہوں سے زیادہ قابل عزت اور بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔ قلندر پارس

ہوتا ہے جسے اُس کی صحبت نصیب ہوتی ہے وہ کندن بن جاتا ہے :—

کرم سوں گدا ہات جس کا پکڑتے
بسر مفلسی تخت چاہی اُو چڑتے
گدا کس سوں ہرگز نہ لڑتے جھگڑتے
نہ دنیا کی دولت کو دیکھت اکڑتے

شاہ تراب تمام کائینات کو ہمہ اُوست کی عینک سے دیکھتے ہیں ۔ « من سمجھاون » میں اکثر جگہ اُنہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ عالم خلق کے تمام مظاہر میں خدا کا جلوہ پنہاں ہے ہر شی میں وہی جاری و ساری ہے ۔ اس صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ کسے طالب اور کسے مطلوب کہیں :—

جدائی سوں کیوں عبد و رب میں سمجھنا
اوسے ہم ہری ہر سبب میں سمجھنا
بلاد یمن ہور عرب میں سمجھنا
نہیں کس میں ہے ہور کس میں سمجھنا

شاہ تراب اسی مطلب کو اپنی غزل کے ایک شعر میں اس طرح ادا کرتے ہیں :—

ہر طرف جب ادھر اُدھر ہیگا
ہم جدا اُس ستی کہو ہیں کب

شاہ تراب کہتے ہیں کہ ہر شی میں خدا کے جلوے کا عکس پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے ما سوا کو اللہ سے جدا کیسے کہہ سکتے ہیں :—

کہیں بلبل زار کہیں سرو گلشن
کہیں نقش پا اور کہیں من ہرن دھن
کہیں اُو محقق کہیں اُو برہمن
کہیں لیلیٰ القدر کہیں روز روشن

« من سمجھاون » میں شاہ تراب نے اسلامی تصورات اور اسلامی فلسفے کے نکات کو عام فہم انداز اور سادہ زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔

« من سمجھاون » کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نظم میں شاہ تراب نے مذہبی مباحث اور اسلامی عقائد کو « ہندو دساوتارا »، ہندو دیو مالا اور ہندو فلسفے کے ذریعے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔ ایک صوفی اور مبلغ ہونے کی حیثیت سے شاہ تراب کا ایک اہم مقصد تبلیغ و اشاعت بھی تھا اور اسی مقصد کے تحت وہ تنجاور آئے تھے کیونکہ یہ شہر اُس زمانے میں ہندو عقائد اور خاص طور پر رام داسیوں کی مذہبی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا ۔ تنجور ہی میں شاہ تراب نے رام داسیوں سے رام داس کی « مناچے شلوک » سنی تھی اور یہیں انہوں نے اسی طرز میں « من سمجھاون » لکھی تھی جیسا کہ حسب ذیل بند میں وہ کہتے ہیں :—

تنجاور میں جس روز ہوا آ کو داخل
سنیا رام داس کی تو پوتی ہے فاضل
گیا سن خوشی ستی دل کا کنول کھل
جواب اس کا کہنا ہوا شوق کامل

"من سمجھاون" میں شاہ تراب نے اپنے عقائد کو ہند و فلسفے کی اصطلاحوں میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ ہندو قارئین بھی اسلامی تصورات کو باسانی سمجھ سکیں اور وہ اُن کے لئے زیادہ موثر اور قابل قبول بن سکیں ۔ دوسرے یہ کہ شاہ تراب نے اسلامی عقائد کو ہندو دیومالا اور ہندو مذہب کی بعض تعلیمات اور تشریحات کی مدد سے اس لئے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اس طرح دوسرے مذہب والے بھی اس سے خود کو مانوس پا کر اس طرف متوجہ ہوسکیں اور اُنہیں کسی قسم کی اجنبیت کا احساس نہ ہو ۔ اور اُن میں تنفر ، کنارہ کشی اور احتراز کا رجحان نہ پیدا ہو ۔ مثال کے طور پر شاہ تراب نے "من سمجھاون" کی ابتداء میں دوسرے شعراء کی طرح حمد کے اشعار لکھے ہیں لیکن اُس انداز میں نہیں جس میں عام مسلمان شعراء خدا کی حمد نظم کیا کرتے ہیں ۔ شاہ تراب خدا کے بجائے "رام"[1] کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اُس کی ثنا اس طرح کی ہے :-

الک نام اللہ نرجن ہری ہے
نرنکھار نرگن اُو پرمیسری ہے
صفت اُس کی ہر شئ میں دائم بھری ہے
اُو گنگا اُو جمنا اُو گوداوری ہے

وہی ذوالجلال اور اکرام ہیگا
و وہی ساقی بزم گل فام ہیگا

اسی طرح شاہ تراب ایک جگہ یہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے اپنے آپ

۱ - اس کی توضیح آگے آئے گی ۔

کو ظاہر کرنا چاہا تو کُن فیَکُون کہہ کر دنیا بنادی ورنہ اس سے پہلے کوئی شئ موجود نہ تھی بلکہ عدم یا "شیونیہ" تھا ۔ اس مطلب کو شاہ تراب نے اس طرح ادا کیا ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں مذاہب والے اس کو سمجھ لے سکتے ہیں :-

نہ تھا جب یہ ہر پنچ تب شیونیہ اتھا سب
نہ اکار نہ اوکار نہ جھد تھا تب
ہوا شوق منڈوان کا رام کوں جب
کیا کُن سوں اسباب برہمند کا سب

ایک اور جگہ شاہ تراب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کے بھیجا ہے ۔ طالب اپنے مطلوب سے دور ہے لیکن ایک دن یہ جدائی ختم ہوجائے گی اور قطرہ اپنے سمندر سے جا ملے گا ۔ خدا نے زمین پر اپنی نمائندگی کے لئے ساری مخلوقات میں سے انسان ہی کو منتخب کیا اور پھر اس کو "زحمت ہجر" دی :-

آپس کی خلافت اگرچہ دیا ہے
و لیکن بلانے کا وعدہ کیا ہے
بڑا شوخ چنچل اُو اچپل پیا ہے
ہمن ہیچ ویناگ ہجرت دیا ہے

"من سمجھاون" کے ایک اور بند میں شاہ تراب خدا کے "وحدہٗ لاشریک" اور "لم یلد ولم یولد" ہونے کو بیان کرتے ہیں ۔ مندرجہ ذیل بند ملاحظہ

ہو جس میں شاہ تراب نے ہندو مت کے آئینے میں اسلامی عقائد کا عکس پیدا کر دیا ہے :—

شیشی ہور دیوا کر مہابل بنایا
اپی سب سوں نیارا ہو سب میں سمایا
نہ کس سوں جنا او نہ کس کا ہے جایا
او ہی لم یلد ولم یولد کہہ سنایا

شاہ تراب نے « من سمجھاون » میں خدا کی صفات ہندو اور مسلم عقائد کی مدد سے اس طرح گنگا جمنی انداز میں بیان کی ہیں :—

اہے سب میں اُو سب سوں دستا نرالا
اندھارے میں کرتا ہمیشہ اُجالا
ہری نام صاحب جمالہ جلالہ
نا اُو سبز نا زرد نہ سرخ کالا

جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا جا چکا ہے شاہ تراب نے ہندو دیومالا کی مدد سے بھی اسلامی تصورات کی تفہیم میں مدد لی ہے۔ « من سمجھاون » کے ابتدائی حصے میں خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خدا بے انتہا قوت رکھنے والا ہے وہ عظیم شخصیتوں کو پیدا کرتا ہے اور اُن کی مشکلوں میں کام بھی آتا ہے۔ رام ہی نے پاربتی کو اس کی اتھاہ محبت کا ثمر بخشا اور اُسے مہادیو سے ملایا تھا۔ خدا وہ ہے جس نے کنیا جیسے پرعظمت اوتار کو خلق کیا ہے :—

کنیا بڑا دیو جگ میں بنایا
مہادیو کا روپ جس نے دکھایا
وہی پاربتی کوں تو پرگھٹ بتایا
چھپی بات سب دل سقی بھار بہایا

« من سمجھاون » کو دکنی ادبیات میں اس لئے بھی ایک منفرد حیثیت حاصل ہے کہ اس طرح ہندو مت اور اسلامی عقائد کو گنگا جمنی انداز میں بڑی ہم آہنگی، توازن، رواداری، وسیع النظری اور معقولیت کے ساتھ سب سے پہلے غالباً شاہ تراب ہی نے پیش کیا تھا۔ شاہ تراب اگر « من سمجھاون » کو خالص مناظرانہ رنگ میں لکھتے تو شاید یہ نظم اتنی شیریں، پر اثر قابل قبول اور دل کو موہ لینے والی نہ ہوتی۔ شاہ تراب نے اگر کہیں تنقید سے کام بھی لیا ہے تو اُن کا انداز بہت گوارا، خیال انگیز اور موثر معلوم ہوتا ہے :—

مہا پرس گیانی قلندر کلاویں
لیکر ہاڈ کا شنکھ مکھ میں بجاویں
بچی ہے سو دریا کے پانی میں نہاویں
سو کیں باس بد باس ہرگز نہ کھاویں

شاہ تراب ایک سچے صوفی کی طرح وسیع النظر، روادار، مساوات پسند اور انسان دوست شخص تھے۔ اُنہوں نے اپنی دوسری تصانیف میں بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ تمام انسان خواہ اُن کا مذہب اور مشرب کوئی ہو، برابر ہیں۔ ہم نے مذہبی اصطلاحیں وضع کرکے اپنے مسلک کو محدود اور تنگ بنا لیا ہے۔ شاہ تراب « گلزار وحدت » میں کہتے ہیں کہ میں نے پران، وید، بھگوت گیتا اور رامائن وغیرہ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور بڑے غور فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مطلوب ایک ہے لیکن اس کو پانے کی راہیں مختلف ہیں اور صرف « اصطلاحوں کا پھیر » ہے، جس نے باہمی محبت اور اخوت پر ضرب لگائی ہے۔ اللہ کو رام اور خدا دونوں کہہ کر پکار سکتے ہیں، اصل اہمیت عشق اور

خلوص کو حاصل ہے ۔ ان خیالات کو شاہ تراب کی زبانی سنئیے :۔

سکل بید و پران کا سیر کیتا
چہ راماٰئن چہ و بھگونت گیتا
........ہوا جب ہندوی میں مین خبردار
تو پایا اصطلاح کا بھید اک بار
........مجھے آکر پڑی یو فکر اک بار
کہ دیکھوں اہل ہند میں کیا ہے تکرار
مگر اُن کی کتاباں دیکھیا سب
تو ظاہر سب ہووے گا اُن کا مطلب
پڑا تب شوق سوں اُن کی کتاباں
دسیا ہر جا ہو اُوہی شمع تاباں
کہیں اللہ کہیں سو ہم کلایا
صریحاً اصطلاح کا بھید پایا
عرض ہر نام سوں پر نام کیجے
بہر صورت اُسی کا نام لیجے
اوہی اللہ اوہی سو ہم ہری نام
ہے یک محبوب ہیں جس کے اتے نام

غزل کے ایک شعر میں بھی شاہ تراب اسی خیال کو پیش کرتے ہیں :۔

دیر و کعبہ میں جب وہی پایا
تب ہے کیا قید مذہب و مشرب

شاہ تراب اتنے رواداد ، کشادہ قلب اور صلح پسند تھے کہ « من سمجھاون » میں وہ ایک جگہ اپنی یہ تمنا ظاہر کرتے ہیں کہ لوگ انہیں « حسینی برہمن » کہیں اور وہ اسی نام سے مشہور ہوں :۔

حسینی برہمن اپنے نام داری
کہا ہے یہ رنگیں سخن یادگاری

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ تراب ہند و مسلم اتحاد کے کیسے زبردست حامی تھے اور ان کے قلب و نظر میں کتنی وسعت تھی ۔ رام داسیوں کا عام طور پر یہ مسلک رہا ہے کہ وہ باہمی اتحاد ، « شکتی » اور شانتی کے پجاری رہے ہیں ۔ اسی طرح شاہ تراب بھی « من سمجھاون » اور اپنی دوسری تصانیف میں اتحاد و مساوات کا درس دیتے ہیں ۔ « من سمجھاون » میں شاہ تراب نے بار بار اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ « میں » اور « توں » کا جھگڑا جب تک باقی رہے گا ہم اُس « شمع محفل » کے « رخ » کو دیکھ نہ سکیں گے اور ہماری نادانیاں محبوب کے چہرہ کا نقاب بن کر اُسے چھپادیں گی ۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ " اے من تو دیر و حرم کے جھگڑوں سے بچا رہ ، نہ مندر میں جا کے پوجا کر نہ مسجد میں نماز ادا کر بلکہ سب سے پہلے تو اپنے محبوب کا جلوہ دیکھنے کی کوشش کر :۔

ارے من نہ دیول کا ہو توں پجاری
نہ مسجد منے کہ نمازی سوں بازی
سدا ہو کے پھر توں درس کا بھیکاری
یہ میں توں کے درمیاں میں ہوئی تیری خواری

شاہ تراب کہتے ہیں کہ "میں" اور "توں" کہنے ہی سے بہت سے اختلافات کی ابتداء ہوتی ہے۔ اگر ہم تمام انسانوں کو برابر سمجھنے لگیں تو تفریق اور امتیاز کا یہ میلان ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا کیونکہ جہاں "یک پنا" پیدا ہو جاتا ہے وہاں "دوی" کی گنجائش باقی نہیں رہتی:—

ہمارا تمارا نکو چپ پکارو
یہ میں توں کے جھگڑے نکو چپ بچارو

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

شاہ تراب کا یہ تصور ہے کہ ایک ہی ذات ہے جس کے جلوئے ہمیں بظاہر مختلف اور متفرق نظر آتے ہیں۔ اس تصور کو شاہ تراب نے اپنی تمام تصانیف میں پیش کیا ہے۔ "گلزار وحدت" کا "گل دہم" تو انہوں نے اسی نظریئے کی وضاحت کے لئے مختص کر دیا ہے "من سمجھاون" کے چند شعر ملاحظہ ہوں:—

کہیں شکل الف کہیں لام ہیگا
کہیں او قشقہ، گلفام ہیگا
کہیں کعبہ کہیں دیر صنم ہے
کہیں ویراں کہیں سیر صنم ہے
کہیں زاہد کہیں ہے او پجاری
کہیں مفلس کہیں ہے ہفت ہزاری

"من سمجھاون" کے دسویں حصے میں شاہ تراب کہتے ہیں کہ تسبیح اور زنار دونوں اسیری کی علامتیں ہیں اور انسان کی وسعت ذہنی پر

تحدیدیں عائد کر کے اسے بندھنوں میں جکڑ دیتی ہیں۔ اس لئے میں نے روایات یا برم برا کے بندھن سے چھٹکارا پانے کے لئے زنار اور تسبیح دونوں کو توڑ دیا ہے:—

برم پارا زنار جس وقت توڑا
اسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

اور اس خیال پر زور دینے کے لئے شاہ تراب نے دسویں حصے کے ہر بند میں مسلسل ان ہی دو مصرعوں کو دہرایا ہے۔

"من سمجھاون" میں شاہ تراب نے سوال و جواب کی صورت میں بھی بعض متصوفانہ اور فلسفیانہ نکات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ "چیلا" اپنے گرو سے سوال کرتا ہے اور پھر گرو جواب دیتا جاتا ہے۔ "طالب" یا چیلا دنیا کی ابتداء اور تخلیق کے متعلق سوالات کرتا ہے تو گرو عام فہم انداز میں مطالب سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ چیلے کا ایک سوال اور گرو کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

سوال طالب:—

نہ کند تھا نہ رس تھا نہ تھا اسپرس جب
نہ تھا روپ اروی نہ تھا جھد نا عبد
نہ چھایا نہ مایا نہ تھا نیک نا بد
نہ تھا جن نا انس نا دیو نا دد
گروجی کہو رام جی کان اتھے تب
نہ تھا کچھ، یو منڈان پرپنچ کا جب

جواب :—

اگر چہ تفکر میں توں ہے گرفتار
یوسن داس سیوک توں میرے سوں گفتار
اشارے میں کہتا ہوں تجکوں سخن چار
اوسی میں سمجھ لے مفصل کو تکرار
اتھے رام جی تو نرنکھار نردہار
ہوا کُن سوں سن اے بچہ سارا بستار

سوال و جواب میں مطالب کی تفہیم کا یہ طریقہ ادبیات عالم میں قدیم زمانے سے رائج ہے۔ دکنی ادب میں شاہ تراب کا یہ انداز کوئی جدت نہیں تھی۔ سوال و جواب کے ذریعے سے مطالب کو سمجھانے کا یہ طرز اس لئے بھی اختیار کیا جاتا تھا کہ اس طرح تشریحات و توضیحات میں بڑی مدد ملتی تھی اور موضوع کے ہر گوشے پر باسانی روشنی ڈالی جا سکتی تھی۔ افلاطون نے بھی اسی طرز کو اپنا کر اپنے تصورات و نظریات کی اشاعت میں مدد لی تھی۔

زبان جیسا کہ اس سے پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے، شاہ تراب نے «من سمجھاون» میں ہندو فلسفے کی اصطلاحوں اور دیومالا کے قصوں کی مدد سے اسلامی عقائد و تصورات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح «من سمجھاون» میں ہندی زبان کا کافی اثر نمایاں ہوگیا ہے۔ شاہ تراب کی دوسری تصانیف میں بھی ہندی الفاظ موجود ہیں لیکن «من سمجھاون» میں ہندی سے

اثر پذیری کا عکس اکثر جگہ جھلک گیا ہے۔ ہندی الفاظ، ہندو مت کی اصطلاحات اور تلمیحات کے ذریعے سے اسلامی فلسفے کی تشریح، وہ اس لئے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ دوسرے مذاہب والے باسانی ان کے مافی الضمیر کو سمجھ سکیں اور اُنہیں کسی قسم کی اجنبی اور نامانوس فضاء کا احساس نہ ہو اور تبلیغ و اشاعت کا کام زیادہ موثر اور قابل قبول انداز میں آگے بڑھ سکے۔ اصطلاحوں سے قطع نظر شاہ تراب نے «من سمجھاون» میں جو ہندی الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بہت عام فہم، سلیس اور مانوس قسم کے ہیں اور ان میں سے بہت لفظ ایسے ہیں جو قدیم دکنی کی کسی بھی ادبی تخلیق میں باسانی مل جاتے ہیں۔ «من سمجھاون» کا ایک بند ملاحظہ ہو :—

یو تن من سکل دہن بدن جال نارے
سکھ آنند میں اس کوں نا پالنا رے
ہر اک بہانت جینے کے دن ٹالنا رے
آپس کوں توں مایا میں نا گھالنا رے
جو ہوشار گنونت چاتر ہے دانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

«من سمجھاون» میں شاہ تراب نے جہاں ہندی کے مانوس، سبک، اور ملائم الفاظ استعمال کئے ہیں وہاں کسی قسم کی گرانی اور بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا لیکن جب وہ سنسکرت اور ہندی کی ثقیل لغات اور نامانوس اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو نہ صرف نظم کی بیساختگی، مٹھاس اور روانی متاثر ہوتی ہے بلکہ نظم میں ایک طرح کی آورد، کرختگی،

اور کھرا پن بھی پیدا ہوجاتا ہے جو کہیں کہیں غیر دلچسپ اور ناگوار معلوم ہونے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر « من سمجھاون » کا یہ بند ملاحظہ ہو :—

ہے پرجا پتی اور نرنجن ڈنڈ پاتا
داتا اچ یونی سویم بھو کلاتا
پیغمبر کو پیغام لاتا لیجاتا
اوپر مہیشور شیش شائی ہے داتا

« من سمجھاون » میں کہیں کہیں مرہٹی زبان کا اثر بھی پایا جاتا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ شاہ تراب نے « من سمجھاون » مرہٹی ہی کی ایک مقبول عام نظم سے متاثر ہو کر لکھی تھی اور اس میں اکثر جگہ اُنہوں نے رام داسیوں کو بھی مخاطب کیا تھا۔ « من سمجھاون » میں بعض الفاظ ایسے بھی برتے گئے ہیں جو مرہٹی میں بھی مستعمل ہیں مثال کے طور پر ، سار ، بھوگ ، کھالنا ، سورات ، اپاس اور برپنچ وغیرہ وغیرہ۔ اپنے ایک بند میں تو شاہ تراب نے مرہٹی کی ایک کہاوت «کاسوچی ذوپ» कासवा ची ज्ञोप بھی استعمال کی ہے جس کے معنی کچھوے کی طرح طویل مدت تک بیخبر سونا ہیں :—

بدی کے تخم باغ من کے میں بو مت
بسرگیان کو کاسوچی زوپ سو مت

اکثر دکنی شعراء کے کارناموں میں اُردو کا قدیم نام ہندی ہی ملتا ہے۔

چنانچہ شاہ میران جی اسے "ہندی" لکھتے ہوئے کہتے ہیں :—

یہ بولوں ہندی سب ان ارتوں کے سبب
یو دیکھت ہندی بول پر معنی ہیں نب تول

اِسی طرح اُن کے صاحبزادے برہان الدین جانم بھی "ارشاد نامے" میں فرماتے ہیں :—

عیب نہ راکھے ہندی بول

جعفر زٹلی ، فضلی (مصنف « دہ مجلس ») اور افضل بیگ نے « تحفۃ الشعراء » (۱۷۵۲ع) میں قدیم اُردو کو ہندی ہی کے نام سے یاد کیا ہے۔ شاہ تراب نے بھی اپنی زبان کے لئے « ہندی » کا لفظ استعمال کیا ہے ، چنانچہ « من سمجھاون » کی تمہیدی نثر میں اِن کا یہ جملہ ملاحظہ ہو " مرہٹی بات میں پوتی وو بولیا ، میں اُس کا رُمز سب دکھنی میں کھولیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و لیکن سربسر ہندی ہے بہا کا "۔ یہاں شاہ تراب نے لفظ ہندی اس لئے بھی استعمال کیا ہے کہ « من سمجھاون » میں اکثر جگہ اُنہوں نے ہندی الفاظ اور ویدوں کی اصطلاحیں وغیرہ استعمال کی ہیں۔ شاہ تراب نے کائنات کی تخلیق اور « پران کنڈلی » وغیرہ کے تصورات کو شاستروں اور ویدوں کے تصورات سے اخذ کرکے پیش کیا ہے اس لئے بھی اِن کی زبان سنسکرت سے متاثر نظر آتی ہے۔

شاہ تراب نے اپنی اکثر ادبی تخلیقات میں اس کا ذکر کیا ہے کہ ان کی زبان فارسی اور ہندی الفاظ سے مرکب ہے اور وہ دونوں زبانوں کے الفاظ کے سہارے ، ایک سادہ اور سریع الفہم زبان میں شعر کہتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کو سمجھ سکیں۔ « ظہورکلی » میں

شاہ تراب کہتے ہیں کہ میرے فرزند نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں ہندی اور فارسی کے الفاظ کی مدد سے یہ مثنوی لکھوں ۔ اگر خالص فارسی میں یہ کتاب لکھی جائے گی تو ہر کس و ناکس اس سے مستفید نہیں ہوسکے گا چنانچہ میں نے « اصلاح ہندی مسلمانی » کی مدد سے یہ کتاب لکھی ہے :—

یک رسالہ تم کہو دکنی میں صاف
کہ عیاں ہوے جہاں میں رمز کاف
فیض پاوے جس تے سب ملک دکن
فارسی معلوم نہیں ہوتا سخن
مثنوی مولوی ہے فارسی
ہندوی ہے فارسی کی آرسی
اصطلاح ہندی مسلمانی ملا
چشم باطن کوں دیو سب کے جلا

اور « اصطلاح ہندی و فارسی » کو « ملانے » کا جواز اُنھوں نے « من سمجھاون » کے پہلے ہی شعر میں اس طرح پیش کردیا ہے :—

زبان کوی ہوئی تو کیا معنی سوں ہے کام
تراب نے یوں کیا وصف دلا رام

« گلزار وحدت » میں شاہ تراب کہتے ہیں کہ مجھے اس کی فکر نہیں کہ میری زبان میں ہندی الفاظ ہیں یا فارسی ، میرا مقصد تو اپنے « یاروں » کو حقائق سے واقف کروانا ہے :—

غرض کچھ ہے نہ ہندی فارسی سوں
اہے درکار یاراں کی خبر سوں

من سمجھاون کے مخطوطوں کی بعض خصوصیات

شاہ تراب کی زبان پر تبصرہ کرتے ہوئے « من سمجھاون » کے مختلف نسخوں کی خصوصیات کو بھی بیان کردینا ضروری ہے تاکہ زبان اور طریقہ تحریر کی قدامت کا اندازہ ہوسکے ۔

(۱) من سمجھاون کے مختلف نسخوں میں « گ » کے لئے « ک » کی علامت استعمال کی گئی ہے جیسے کلفام ، ہیکا ، جوکی ، کیان جکر ، کھی ، کھابرا وغیرہ وغیرہ ، کتب خانہ سالار جنگ میں من سمجھاون کا جو نسخہ موجود ہے اس میں « گ » کو کہیں « ک » اور کہیں « گ » لکھا گیا ہے ۔

(۲) یائے مجہول کے لئے عہد حاضر میں « ے » اور یائے معروف کے لئے « ی » کی شکل استعمال ہوتی ہے لیکن « من سمجھاون » کے نسخوں میں یائے مجہول اور یائے معروف کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے مثلاً کلای ، ہوکی ، دہندی ، پڑی گا ، وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح بھکارے ، خارے ، سیتی اور روگے وغیرہ وغیرہ الفاظ ہے ۔

(۳) اکثر جگہ مختصر حروف علت کے اظہار کے لئے « و » اور « ی » کا استعمال کیا ہے جیسے بورا ، بولانے ، سینسار ، اودبر وغیرہ وغیرہ

(۴) ضمیر وہ کے لئے کہیں اُو اور کہیں وو تحریر کیا گیا ہے ۔

(۵) ہائے مخلوط اور ہائے ہوز کے لکھنے میں بھی کسی خاص فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے مثلاً گھی ، جھرتی ، ھاتی بہنورا ، بھید ، گھر وغیرہ وغیرہ ۔

«من سمجھاون» میں شاہ تراب نے قواعد کے ان ہی اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے جو ہمیں عام طور پر کسی بھی قدیم دکنی مخطوطے میں نظر آتے ہے مثلاً

(۱) عام طور پر دوسرے دکنی شعراء فارسی کے تتبع میں جس طرح جمع بناتے ہیں اسی طرح شاہ تراب نے اکثر جگہ منکیاں، کسوتاں، مریدان قدمان، ہزاران، بامنان وغیرہ استعمال کیا ہے۔

(۲) بعض الفاظ جو اب مذکر بولے جاتے ہیں اُنہیں مونث استعمال کیا ہے اور اسی طرح مونث کو بطور مذکر استعمال کیا ہے۔ مثلاً سیر، جان، حرص جھڑتی وغیرہ۔

(۳) شاہ تراب بعض جگہ دو فارسی الفاظ سے ترکیب بنانے کے بجائے ایک فارسی اور ایک ہندی لفظ کا بھی مرکب بنالیتے ہیں مثلاً باغ من، وپناگ ہجرت مال دھن وغیرہ اس طرح کی اضافتیں نہ صرف دکنی شعراء بلکہ شمالی ہند کے بھی بعض ابتدائی غزل گو شعراء کے کلام میں نظر آتی ہیں مثلاً سودا کہتے ہیں:—

بخشتی ہے گل نورستہ کی رنگ امیزی
پوسشش چنھٹ قلمکار بھر دشت وجبل

(۴) شاہ تراب نے بہت سے لفظ اُسی املا کے ساتھ استعمال کئے ہیں جیسا کہ عام طور پر ان کا تلفظ رائج ہوگیا ہے مثلاً خُسد، سُد، تئیں، پانی، باند، پات، تسبی وغیرہ۔

(۵) شاہ تراب کی «من سمجھاون» میں بہت سے ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو اب متروک ہوچکے ہیں مثلاً کنے، اپے، ہور، سٹو، رہن ہار، یو، لہار، گھالنا، سنگاتی، اوتانا، گھابرا دستا، منے، سوں، کوں، توں اور ہیگا وغیرہ وغیرہ۔

طرز ادا | شاہ تراب کی «من سمجھاون» طرز ادا کے اعتبار سے ایک پسندیدہ نظم کی جاسکتی ہے۔ «مناچے شلوک» کے اسلوب کی طرح «من سمجھاون» کا انداز بیان میں بھی شگفتگی، نرمی، مٹھاس اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ «من سمجھاون» کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی افادیت اور مقصدیت کے باوجود بالکل بے کیف، سپاٹ اور اُکتا دینے والی نہیں۔ رنگین اور ہلکے پھلکے مطالب کو رسیلے انداز میں پیش کرنے میں اتنی دشواری نہیں ہوتی جتنی پیچیدہ مطالب اور اخلاقی و فلسفیانہ نکات کو پر اثر، دلچسپ اور گوارا بنا کے پیش کرنے میں ہوتی ہے۔ شاہ تراب کا انداز بیان «من سمجھاون» میں اکثر جگہ اثر انگیز ملائم اور پرکشش محسوس ہوتا ہے:—

اے فانی سرا کچھ وفادار نہیں ہے
یہاں کوئی دائم رہن ہار نہیں ہے
بورے وقت کا کوئی دلدار نہیں ہے
چمن باغ کثرت یو درکار نہیں ہے

دنیا کی بے ثباتی، حسن کے زوال اور مادی جاہ و حشمت کی

ناپائداری کو شاہ تراب نے کتنے اچھے انداز میں پیش کیا ہے :—

روپا ہور سونا تو اک بار دیکھت
اکڑتا ہے کئی پہن زر تار کسوت
صبا مار لالوں کی لیوے گا عزت
بسرجائے گا سب یو دھن مال دولت

" من سمجھاون " کے اشعار میں بڑی روانی ، سبک روی اور بیساختگی پائی جاتی ہے - ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ تراب نے اپنے ما فی الضمیر کو ظاہری طمطراق ، تصنع اور آرائشی اہتمام کی پرواہ کئے بغیر بڑی بے تکلفی اور سلاست کے ساتھ ادا کردیا ہے - " من سمجھاون " کے اشعار میں اتنی روانی ہے کہ اس کی زبان قدیم ہونے کے باوجود اس کے اشعار نہایت آسانی کے ساتھ ہماری زبان سے ادا ہوجاتے ہیں اور زبان کہیں رکتی اور اٹکتی نہیں اور یہی روانی آمد اور بیساختگی " من سمجھاون " کو ایک پسندیدہ نظم بنادیتی ہے - قلندر کی پہچان بتاتے ہوئے شاہ تراب نے فقیری کی نعمتوں کو اس طرح سراہا ہے :—

فقیری میں کیا فکر درکار ہے رے
ہمیشہ تیرا گرم بازار ہے رے
وو رزاق مطلق خریدار ہے رے
ہر یک جا پو ہادی سا اوتار ہے رے

ارے من او سے کیا ہے دنیا کا جھانسہ
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسہ

شاہ تراب کے پیرائے بیان کی ایک اور خصوصیت زبان کی سادگی اور سلاست ہے اُنہوں نے جہاں سنسکرت اصطلاحیں استعمال کی ہیں وہاں الفاظ ادق اور مشکل معلوم ہوتے ہیں ورنہ " من سمجھاون " کا عام انداز بہت سلیس اور سادہ ہے مندرجہ ذیل بند ملاحظہ ہو :—

صفت کر اول اس کی جو رام ہیگا
اُسی رام سوں ہم کو آرام ہیگا
سدا رام کے نام سوں آرام ہیگا
ہمن دھیان اس کا صبح شام ہیگا

" من سمجھاون " میں تشبیہات اور استعاروں یا کلام کی صوری قدروں کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے - رام داس کی " داس بودھا " میں ضائع بدائع اور صوری خوبیوں کی کمی نہیں لیکن " مناچے شلوک " میں رام داس کا انداز بیاں نسبتاً سادہ اور آرائش و زیبائش سے پاک ہے - اسی طرح " من سمجھاون " میں بھی شاہ تراب نے الفاظ سے زیادہ مطالب اور معنوی خوبیوں کو پیش نظر رکھا ہے - شاہ تراب نے اپنی دوسری تصانیف میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ وہ لفظ سے زیادہ معنی کو اہمیت دیتے ہیں چنانچہ " ظہورکلی " میں شاہ تراب کہتے ہیں :—

عارفاں کوں لفظ سوں نیٹن کار ہے
معنیٰ مضبوط سب درکار ہے
عارفاں دیویں گے میری داد کوں
دیکھ کر میرے یو سب ارشاد کوں

ایک اور جگہ شاہ تراب نے شعر کی یہ خوبی بتائی ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ معنویت موجود ہو اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میرے کلام داد بالہوس اور ظاہر پرست نہیں دے سکتا وہ تو ظاہری آرائش و نمائش اور لفاظی پر نظر رکھتا ہے ۔ شاہ تراب کہتے ہیں کہ میرا خطاب عارفوں سے ہے اور میں ان کی تحسین کا خواہش مند ہوں :—

گر سخن مربوط و نا مربوط ہوئے
شعر اُو جو معنی مضبوط ہوئے
لفظ پر ہرگز کرو مت کوئی نظر
معنیٔ قرآن ہیں سب معتبر
بوالہوس سمجھے گا کیا میرا کلام
بحث لایعنی کرے گا صبح شام
مجھ کوں عارف کی سمجھ سوں کام ہے
اُن کی تحسیں سوں مجے آرام ہے

"من سمجھاون" میں کہیں کہیں بعض بہت خوبصورت ترکیبیں موجود ہیں لیکن اُن کی حیثیت بھی زیبائشی نہیں بلکہ وہ خیال کا ایک جزو بن کر ہمارے سامنے آتی ہیں ۔

جب ہم شاہ تراب کی شعری تخلیقات اور خاص طور پر اُن کی نظم "من سمجھاون" پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے غیر اہم شاعر نہ تھے جن کے ادبی اکتسابات کو ہم نظر انداز کر سکیں ۔ شاہ تراب کی شاعری میں زندگی کے حقائق کی تلاش اور

کائنات کے رموز جاننے کی تمنا ہے ، صوفی کے قلب کی دھڑکنیں اور اس کا خلوص ہے ، صداقت سے پیار کرنے کا جذبہ ہے ، حیات کی ابدی قدروں کی عظمت کا احساس ہے اور انسانی سیرت کو اونچے آدرش تک لے جانے کی آرزو ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود شاہ تراب کو اپنے کلام کی ان خصوصیات کا احساس اور اُن کی افادیت کا ادراک تھا ۔ "ظہور کلی" میں وہ ایک جگہ کہتے کہ لوگوں نے میری زندگی میں میری قدر و منزلت نہیں کی لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے بعد وہ مجھے یاد کرکے ضرور کف افسوس ملیں گے :—

ہم قفس عنصری چھوڑیں گے جب
تب نپٹ پچتائے گا عالم تو سب
دست افسوس سب ملیں گے ایکبار
ہم ہووے گے قید قالب سوں جو پار

★

من سمجھاون

اے اوس کی من کی پوتی[1] کا جواب ہے کہ جس کا رام داس خطاب ہے۔ مرہٹی بات میں پوتی وو بولیا، میں اس کا رمز سب دکھنی میں کھولیا۔ یوں من سمجھاون اوس کا نام راکھا و لیکن سر بسر ہندی ہے بھاکا۔

زبان کوئی ہوئی تو کیا معنی سوں ہے کام
تراب نے یوں کیا وصف دل آرام

★

صفت کر اول اوس کی جو رام ہیگا
اوسی رام سوں ہم کو آرام ہیگا
سدا رام کے نام سوں کام ہیگا
ہمن دھیان اوس کا صبح شام[2] ہیگا
وو ہی گل وو ہی مُل وہی جام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

الکھ نام اللہ نرنجن ہری ہے
نرنکھار نرگن وو پرمیسری ہے
صفت اوس کی ہر شئ میں دائم بھری ہے
وو گنگا وو جمنا وو گوداوری ہے
وو ہی ذوالجلال اور اکرام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

۱۔ سمرتھ رام داس کی مشہور اور مقبول عام کتاب "شری مناچے شلوک" کی طرف اشارہ ہے۔
۲۔ ن۔ اوس رام کے سنگ سنگرام ہیگا۔

کنیا بڑا دیو جگ میں بنایا
مہادیو کا روپ جس نے دیکھایا[۱]
وو ہی پاربتی کوں تو پرکھت دکھایا
چھپی بات پر دل سوں سب بہار لایا[۲]

کنیا تو جس دیو کا نام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

کنیا سچا مول آکار کا ہے
کنیا سچا اسم قہار کا ہے
کنیا[۳] یو پرکاش سنسار کا ہے
کنیا تو مندبر پرستار کا ہے[۴]

جو اظہار کثرت کا انجام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

کشن جس کوں کہتے علی نام ہیگا
علی نام لینے سوں آرام ہیگا
کشن بھوگ لیکن ابھوگی رہے گا
وو جو گیون میں مل کر اجوگی رہے گا

یہ سب خلق کو جس سق کام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

---

۱ - ج - مہادیو کا روپ جس میں بنایا
۲ - ب - چھپی بات پردے سوں سب بہار لایا
— ج - چھپی بات پردے کے سب بہار بہایا
۳ - د - کیا تو چندر اس تار کا ہے
— ج - کیا سق روپ سنسار کا ہے
۴ - ج - کیا سو چندر پرستار کا ہے
— د - کیا تو پرکاش سنسار کا ہے

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے[۱]
ہمن ہم کوں ہم دیک[۲] ہم کوں گنوائے
ہمن داس کتیں ہور گرو کتیں کلائے[۳]
ہمن ہم کوں اس گھٹ سوں پرگھٹ[۴] دکھائے

کہ جس دل میں عشق[۵] دل آرام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

ہوا حرص غصے کا سنگات[۶] کر مت
کرود کام اور لوب کا باپ[۷] کر مت
ارے من تو مایا کا سورات کر مت
حسودان کی توں بات پو گھات کر مت[۸]

جسے ایکساں کفر و اسلام[۹] ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

---

۱ - ا - روپ لائے
۲ - ب - ہمن ہم کوں ہم دیکھ کر ہم کوں پائے
— ا - ہمن ہم کوں ہم دیکھ ہم نہ پائے
۳ - د - ہمن داس اور ہم گرو کتیں کلائے
۴ - د - ہمن ہم کوں ہم دیکھ ہم ہی کوں پائے
۵ - ب - عشق دل آرام
۶ - د - سوغات
۷ - ب - کبھ ہور کینے کی کچھ بات کر مت
— ج - عمر ضائع غفلت میں دن رات کر مت
۸ - د - حسودان کے مل سات کچ گھات کر مت
۹ - ب - جسے ایکساں خاص ہور عام ہیگا

ہوا جلوہ گر احد میں سی وحدت[1]
بھرا وحدت سونچ بازار کثرت
انھی کاف و نون میں عجب اُوس کی حکمت
دسی جس سی قرب و فرقت کی لذت[2]
صفاتوں سے جس کے نہ اجسام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

ارے من توں مایا میں چپ عمر کھو مت
بیزان ہات دے سر کو پچھتا کے رو مت
بدی کے تخم باغ من[3] کے میں بو مت
بسر گیان کوں کا سوچی زوپ سو مت
جو کوئی عاشق بباک بدنام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

ارے من یہ سب جھوٹ سنسار ہے رے
بورے وقت کا کوئی نہیں یار ہے رے
یو پرپنچ سارا تو آکار ہے رے[4]
اوسے جن نے سمجھا سو ہوشیار ہے رے
جو دل مبتلائے گل اندام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

---

۱ ـ ب، د ـ ہوا جلوہ گر احدیت سی وحدت
۲ ـ دسی جس زک سوچہ قربت کی لذت
۳ ـ ب، د ـ باغ نیکی
ـــ ج ـ بدی کا تخم باغ میں دل کے بو مت
۴ ـ ا ـ یو پرپنچ کا سارا آکار ہے رے

ارے من نہ دیول کا ہو توں پجاری
نہ مسجد منے کر نمازی[1] سوں بازی
سدا ہوکے بھر توں درس کا بھکاری
اے میں توں کے درمیاں ہوئی تیری خواری
نہیں جس کنے خاص ہور عام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

نہ تھا جب یو پرپنچ تب شیونیہ اتھا سب
نہ اکار نہ اوکار نہ جہت تھا تب[2]
ہوا شوق منڈان کا رام کوں جب
کیا کُن سوں اسباب برہمانڈ کا سب
سزاوار اوس کوں یو سب کام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

حسینی کو مہدی ہادی پچھانو
خدا ہور محمد علی ایک جانو[3]
ہمیشہ اوسے صدق دل سیتی مانو
تراب کی سنو بات تم اَے دیوانو
ہدایت کا جس ہت[4] سر انجام ہیگا
وو ہی ساقی بزم گلفام ہیگا

---

۱ ـ ج ـ نہ مسجد میں کرنا نمازی سوں باری ـ ب ـ نہ مسجد منے کر نمازان سوں بازی
۲ ـ ب ـ نہ رب
۳ ـ د ـ کیا کن سوں اثبات برہمانڈ کا سب
۴ ـ ب ـ خدا ہور محمد علی کر کے جانو
۵ ـ ب ـ سے

نظر میں نظر کر بشر کے ہنر کوں[۱]
ہنر سوں بصیرت کی پاؤں خبر کوں[۲]
تماشے کوں آئے ہیں اس رہگذر کوں
ہمن سارے مل کر اودھر سے ایدھر کوں

نکو چپ کرو جمع اس[۳] رہگذر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کوں

ہمن مہمان ہوکے آئے ہیں یاں سب[۴]
ہوا حرص غصے سوں کیا ہم کو مطلب
قلم آزمائش کوں بھیجا اہے[۵] رب
اسی واسطے سب کوں کہتا ہوں جب تب

ستو الفت خویش و دختر پسر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کوں

گگن عل کے ہم نر آکار جوگی
اپیں نیند میں ہوکے گوئند بھوگی[۶]
سکھ آنند پائے بسر سوگ سوگی
نکو بار بیٹھو چپی ہوکے روگی[۷]

عبث جا پڑے ہو کدھر سوں کدھر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گے گھر کوں

---

۱ ۔ د ۔ نظر میں نظر بھر بصر کے ہنر کون
۲ ۔ ب ۔ ہنر سے بصر کی میں پاوں خبر کون — ج ۔ ہنر کی بصیرت سن پایا خبر کون
۳ ۔ ب ۔ سیم و زر — د ۔ مال و زر
٤ ۔ ج ۔ ہمن ہو کو ائے ہیں مہمان یان سب — ا ۔ جو مہمان ہم ہوکے ائے ہیں یاں سب
٥ ۔ د ۔ انہا
٦ ۔ ا ۔ اپین بن میں ہم ہرکے گوبند بھوگی — د ۔ اپے برہمن ہوکے گوبند بھوگی
۷ ۔ ب ۔ نکو بار بیٹھو سب ہی ہوکے روگی — ج ۔ نکو ہوکے بیٹھو جی تم ہوئے روگی

کہاں لگ کلاویں دبن مسافر
بسر وطن اصلی کے آرام کا گھر[۱]
جمع مت کرو مال و دھن اے مزور[۲]
بچھڑ کر ہوئے دھن سوں کیتے دن ہم پر

اتا دیکتا[۳] جا اُسی اب شکر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کوں

اپس کی خلافت اگرچہ دیا ہے
و لیکن بولانے کا وعدہ کیا ہے
بڑا شوخ چنچل واچپل بیا ہے
ہمن بیچ ویتاگ ہجرت دیا ہے

بندو دھن سوں اپنے نا تار نظو کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کوں

اگرچہ سریجن تو بیچون کلانے
صفت سون ہماری صفت اوس کی پائے
بسر راہ دلدار کی[٤] سد گنوائے
دب ہی عبد و معبود دونوں سُہائے

ستو مٹے پنا ہور باندھو کمر کون
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گھر کون

---

۱ ۔ ج ۔ بسر کر وطن اصل آرام کا گھر
۲ ۔ ب ۔ برادر
۳ ۔ ب ۔ دیکھنا
٤ ۔ ا ۔ کون

اے فانی سرا کچ وفادار نئیں ہے
یہاں کوئی دائم رہن ہار نئیں ہے
بورے وقت کا کوئی دلدار نئیں ہے
ہمن باغ کثرت[1] یو درکار نئیں ہے
مسافر ہو نکلے ہیں دو دن[2] سفر کوں
اُٹھو جی اُٹھو اب چلو جائیں گے گھر کوں

کہیں باندنا تا کا برہمن کلاتے
کہیں گائے پوجے کہیں کاٹ کھاتے
کہیں دیو پوجے کوں دیول بناتے
کہیں توڑ دیول کوں مسجد اوچاتے[3]
اتا سٹ[4] کے سب مٹے پنے کے کفر کوں
اٹھو جی اٹھو اب چلو جائیں گے گھر کوں

یہاں کوئی ساتی[5] نہیں ہے ہمارا
زن و مال فرزند سارا پسارا[6]
تمارا مگر ہے اشارہ بشارا[7]
نہیں کوئی آخر[8] ہمارا تمہارا
سنوارو آپس ہات اپنی قبر کوں
اٹھو جی اٹھو اب چلو جائیں گے گھر کوں

---

۱ ۔ باغ کثرت کا
۲ ۔ سیر سفر
۳ ۔ ج ۔ اٹھانے ۔ ب ۔ بنانے
۴ ۔ ا ۔ چھوڑو
۵ ۔ د ۔ ثنائی
۶ ۔ ج ۔ زند و مال فرزند ہور خویش سارا
۷ ۔ ج ۔ ہمن سوں ہوا ہے یو سارا پسارا
۸ ۔ د ۔ دائم

نگر میں ہمارے نہیں کوئی دوجا
ہمن کس کا کرنا وہاں جا کے پوجا
نہ مسجد نہ مندر کہیں ٹھار سوجا
اپس کوں اپی جا نرآکار ہوجا
ہمن دیکھنا جا اُوسی اب شکر[1] کوں
اٹھو جی اٹھو اب چلو جائیں گے گھر کوں

کہیں ٹھارتا نئیں جدائی سی من
تڑپتا ہے من دیکھنے دھن کا درشن
نہیں من کوں بھاتا ذرا سیر گلشن
اوداسی بھنور ہوکے پھرتا ہے بن[2] بن
کہاں لگ یہاں کھائیں خون جگر کوں
اٹھو جی اٹھو اب چلو جائیں گے گھر کوں

ہمن کیا ہے درکار سیر چمن سوں
نہ مطلب دکھے ہند و ملک دکن سوں
مسافر ہو نکلے ہیں اپنے وطن سوں
مراب کے تو مل سات چین و امن سوں
نظر میں نظر کر کے نورالبصر[3] کوں
اٹھو جی اٹھو اب چلو جائیں گے گھر کوں

---

۱ ۔ ب ۔ گل بدن
۲ ۔ ج ۔ اداسی ہو پھرتا ہوں بھورے تین بن
— د ۔ دیوانہ ہو پھرتا بھنور ہوکے بر بن
— ب ۔ اوداسی ہو پھرتا ہے بھنورے تن من
۳ ۔ د ۔ نور نظر

ارے من مجھے بول تیرا ٹھکانا
کہاں سوں ہوا ہے یہاں تیرا آنا
نہ تیرا یہاں خویش نہ کوئی یگانا
یہاں سوں کہاں پھر تیرا ہوگا جانا
اگر توں ہے پردیس پیچھے دیوانا[1]
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

جتے اگ تو جورو بچے پیار کرتے
موئے پر بھی مردہ ککر جیو میں روتے[2]
تجے گاڑ ماٹی میں سارے بسرتے
تیرے پیچھے[3] ہرگز نہیں کوئی مرتے
یہ سارا ہے پرپنچ جھوٹا زمانہ
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

یو تن من سکل دھن بدن جال نا رے
سکھ آنند میں اس کوں نا پالنا رے
پر ایک بھانت جینے کے دن ٹالنا رے
آپس کوں توں مایا میں نہ گھالنا[4] رے
جو ہوشیار گونت چاتر ہے دانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

---

۱ ۔ د ۔ اگر توں ہے پردیس پیچھے سیانا
ــ ا ۔ اگرچہ ہے پردیس پنچھی سیانا
۲ ۔ ا ۔ ڈرتے
۳ ۔ ب ۔ ساتھ
۴ ۔ د ۔ ڈالنا

روپا[1] ہور سونا توں اک بار دیکھت
اکڑتا ہے کی ہیں رز تار کسوت
ما مار لالون کی[2] لیوے گا عزت
بسر جائے گا تب یو دھن مال دولت[3]
اے دنیا کے دھن مال کو نہ پتیانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

اچھا دیکھ چیرا کسی کے توں سر پر
آپس کو نہیں کر کو حسرت[4] نکو کر
نہیں کام آنے کا یہ حرص آخر
بقا جاں فانی سرا کا سکل گھر[5]
مدامی سمجھ کر آپس کا ٹھکانہ
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانہ

اے سنسار سوں ہات دھونا ہے آخر
خبر میں اکیلا چہ سونا ہے آخر
تجے خاک در خاک ہونا ہے آخر
سگے سو دھرے مل کو رونا ہے آخر
نرم روئی نہالی کا دیکھت بچھانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

---

۱ ۔ د ۔ چاندی
۲ ۔ ب ۔ سے
۳ ۔ ا ۔ بسر جاوگے تم یو دھن مال دولت
۴ ۔ ب ۔ حسرت
۵ ۔ ج ۔ فنا جان دنیا کا یہ مال ہور زر

یہاں جب توں دو دن مسافر ہو آیا
برابر ہے تجکوں تو[1] اپنا پرایا
عبث جگ کے دھندے میں کی سُد گنوایا
نہیں کام آنے[2] کا آخر یو مایا
بسر جاکے اپنا تو او گھر پرانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

یہ ماٹی کے تن کوں تو سنگارتا کی
نکل جائے گا تن سوں جس وقت تر جی[3]
اوسے چپ کہلاتا ہے کی دود ہور گھی
رہے گی توں آخر کوں ماٹی کی ماٹی[4]
مٹھا بوج کے چپ کے جھوٹا یو کھانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

بچے ہور جورو نہ کوئی آئیں گے کام
کہ جب موت کا تجکوں ہوے گا پیغام[5]
دیوی کا تیری نام چپ اے صبح و شام[6]
بسر جائے گا دھندے منے رام کا نام
جن نے آتمارام کا گھر پچھانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

---

۱ - ب - دو
۲ - ب - اوے گا
۳ - ج - نکل جائے گا تن سوں جس وقت پر جی
۴ - ا - ارے من یو ماٹی کا نہیں کوئی ساتی
۵ - د - آوے گا
۶ - دیوے گا تیری توج چھوڑتی صبح و شام
۷ - ا - کہیں چپ دیکھو رام کا کرکو بہانہ
ب - جی آتما رام کا کرکر بہانہ

قبر میں تیرا کوئی ساتی نہیں ہے[1]
کٹھن وقت کا کوئی سنگاتی نہیں ہے[2]
تیرے حال پر عار آتی نہیں ہے
یہ دنیا کسی پر سہاتی نہیں ہے[3]
اگر اس بلا سوں آپس کو بچانا
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

منور سجا عرش اکبر کتے ہیں
ارے من تجے رام کا گھر کتے ہیں
یہ پنچ بھوت کا تج کوں زیور کتے ہیں
ترا رتبہ سب سوں بلند تر کتے ہیں
یو بستی سو دنیا ہو ہوکر اوتانا[4]
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

تراب سوں تجے کام جب آ پڑے گا
ہوکر گھابرا نب نپٹ گربڑے گا[5]
تیرا تجکوں لینے کا دینا پڑے گا
توں اس وقت پر بول کس سوں لڑے گا
جمع کرکے دھن مال کا سب خزانا[6]
ارے من نکو رے نکو ہو دیوانا

---

۱ - ج - کہ جس دل منے عشق ذاتی نہیں ہے
۲ - ج - بجز رام کے کوئی ساتی نہیں ہے
۳ - ب - یو دنیا کسی کو پتیاتی نہیں ہے
۴ - د - یو بستی سو دنیا ہو ہوکر روانا
۵ - د - ہوکر گھابرا تو نہ تب گر پڑے گا
۶ - ب - جمع کر نت مال زر کا خزانہ

نکو رام کو ڈھونڈ چُمنے چمن میں
نہ سمدور میں نا تو ساتوں گگن[1] میں
چکا جوت اُس کاچ ہے سب رخن میں
بھرا آتما رام ہر الک کے تن من میں[2]
الک نام دستا ہے میرے نین میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

چوبچہ دیو پوجے کون دیول میں جاتا
چوبچہ باند تاکا برہمن کلاتا[3]
چوبچہ نام آڑا کھڑا کیوں لگاتا
چوبچہ من کون میں تون کے جگڑے میں بہاتا
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

نہ کاشی بنارس نہ ترپتی کون
نہ گوداوری جا نہ بھاگی رتی کون
نہ گنگا نہ جمنا نہ جا سرسوتی کون
کہیں ڈھونڈ کرپا[4] گرو دھن پتی کون
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ - ب - نہ سمدور میں جانہ ساتوں گگن میں
۲ - د - بھر یا ہے تمام رام ہر ایک تن من میں
۳ - ب - چو بچہ موکو سیندور لگا کر دیکھاتا
۴ - د - جا

نکو گھر کا مٹ چھوڑ پھر توں اوداسا[1]
نکو آج ہور کل کا رکھ دل میں آسا
سمج دیکھ ہے سب آکاسا بھی کاسا[2]
مہا پُرش ست گرو کا ہو رہ تو داسا[3]
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

جہاں ترکٹی محل سنگم بنایا[4]
وہاں سورگ اپروپ موتی بنایا[5]
اس اپروپ موتی کا وو بھید پایا
جسے رام مارگ گرو نے بتایا
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

مولا دھار چکر میں تو اپان ہے
سمجھ خوب سینے میں باد سمان ہے
ارے یارو ہردے چکر میں پران ہے
وہاں کنٹھ میں اور سینے میں سمان ہے
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ - د - نکو چھوڑ مٹ گھٹ کا پھر ہو اوداسا
۲ - ج - سمجھ دیکھ ہے سب کا اتا زاتا
۳ - ب - مہا پرس ست گرو کا ہو رہ توں داسا
۴ - جہاں تر کوٹ و پروت سنگم بنایا
۵ - ج ، د - وہاں ایک اپروپ موتی بنایا

سوداش تھان میں رجو گُن ہے برہما کی بستی
تو سینے میں ستو گُن ہے وشنو کی بستی
ہے ہردے چکر میں تمو گُن واندر کی بستی
کنٹھ استھان میں مایا کی شکتی کی بستی

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

سمان ساتویں کا تو راجا زحل ہے
چھٹا آسمان مشتری کا محل ہے
ہی پنجم کا مریخ صاحب عمل ہے
چہارم میں خورشید شاہ نول ہے

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

سیوم آسمان میں ہے زہرا ستارا[1]
عطارد کا دویم فلک میں نظارا
اول پر ہے مہتاب کا خوش چھکارا[2]
دسیا جیو جنتو کا سارا پسارا[3]

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ ـ د ـ تارہ
۲ ـ د ، ب چند رمان کا اول فلک میں چھکارا
۳ ـ ب دسیا پیو جنترا کا سارا نظارا

اہیں دلوجدی دو کیوان کے گھر[1]
کہ برجیس کون قوس ہور حوت خوشتر
حمل ہور عقرب میں بہرام سرور
دیا ثور و میزان کو زہرا نے زیور[2]

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

عطارد لیا سنبلہ ہور جوزا
اسد جائے خورشید سرطان میں چندا
اگر کس[3] گرو سیتی اے بھید سمجھا
ہوا ست گرو کا سچا تب وو چیلا[4]

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

کتے[5] باند تاگا کلاتے برہمن
کنے شیو سادھو ہو سادھے ہیں سمرن
کنے پوجتے ہیں سدا رام لچھمن
کنے یونچہ کہتے الک او نرنجن[6]

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ ـ ب ـ دلو ہور جدی دونوں کیوان کے گھر
۲ ـ ا ـ دیکھو ثور میزان و زہرا ہے انور
۳ ـ د ـ ست گرو
۴ ـ د ـ ہوا ست گرو کا سچا تونچہ چیلا
ــ ب ـ ہوا جب گرو کا سچا تب وو چیلا
ــ ج ـ تب ہی ست گرو کا توں ہوئے گا چیلا
۵ ـ د ـ کہیں
۶ ـ ب ، د ـ کنے پوجتے ہیں الک و نرنجن

کتے جو گئے بیٹھنے جوگ آسن
کتے ہوگئے چڑ کو پھرتے سنگاسن
کتے لوگ ٹھیرے ہری من اوپاسن
کتے دیکھتے ہیں سدا رام لچھمن[1]

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

کتے لے[2] کو تسبی منکے پھراتے
بڑے پاک زاہد نمازی کلاتے
والے من کے منکیاں کا نئیں بھید پاتے
سدا میں پنے میں اپس سدھ گنواتے[3]

ارے من شتابی سدا آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

اول جیو جلا ہے اُوسے کیا جلاوں[4]
چلی خاک پر گھر کہاں پر بناوں[5]
اے میں توں کہے پر کہو کیا کلاوں[6]
گنوا خُدکوں خلقت میں کیا ڈھونڈ لاوں[7]

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ ۔ د ۔ درشن
۲ ۔ ب ۔ کبے کبے
— ج ۔ کتے ایک
۳ ۔ ا ۔ سدا میں پنے میں وہ خودکو گنواتے
۴ ۔ ب ، د ۔ اول سوں جلا سو اُسے کیا جلاوں
۵ ۔ ھ ۔ مل خاک در خاک میں کیا بناوں — ب ۔ چلے خاک پر خاک پھر کیا لگاوں
۶ ۔ جب جوگ کرکر کے جوگی کلاوں
۷ ۔ ا ۔ چھپا مج میں میں ہوں کہاں ڈھونڈ پاوں ۔ د ۔ گنوا مج کومج میں کہاں ڈھونڈ لاوں

لگا خاک تن کوں کلا مت سنیاسی
نکورے[1] نکو جا جگتا تھ کاسی
نہ ہو دودھ دھاری نہ رہ نت اپواسی
نہ پھر توں بنے بن بن کہاتے اوداسی

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

جسے دیو کہتے سو ہر گھٹ[2] میں ہے رے
نہیں قید ہوکر وو اک مٹ[3] مہیں ہے رے
نظر سوں نظر کر کہ گھونگھٹ میں ہے رے
گرو بن یو مارگ تو گھٹ پٹ میں ہے رے

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

جو ہر نام لیوے گا وو پار ہووے[4] گا
سُکی نیند سوں ارد ماتر میں سووے[5] گا
نہیں تو وو آکار میں پڑکے رووے گا
سدا اشک افسوس سوں مکھ کو دھووے[6] گا

ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ ۔ د ۔ نگوڑے
۲ ۔ ا ۔ گھٹ گھٹ
۳ ۔ د ۔ مقید ہوکر نہیں او یک مٹ ہے رے
۴ ۔ ب ۔ جو ہر نام لے گا سو وو پاک ہونے گا
۵ ۔ ج ۔ سکھی نیند سوجا کے ماتھی میں سونے گا
— ب ۔ سکھی نیند میں روز محشر کوں ہوگا
۶ ۔ ج ۔ مکھ انجھوں سے حسرت کے آخر کو دھوگا
د ۔ مکار ہور آکار درمیان کا ہوگا

لگا ست گرو کے چرن سوں لگن رے
عبث کیا کرے گا توں یہ مال دھن رے
گرو کے چرن میں ہے دار امن[1] رے
ہری نام کو جاں گرو کا بچن رے
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

بدل سابقی سوں توں رنگ چرخ ابلق
اوچا عرش و کرسی میں بانک انا الحق
چڑے دار بر تو بھی[2] راکھے تعلق
اگر حق پچھانا تو ہو حق منے[3] حق
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

نکو کر نکو بہوت کاسکوت دولت
بوری ہے بوری ہے یو دولت کی خصلت[4]
کنکر ہور کاٹا ہے دولت کی صورت[5]
تجے اختیاری جو کرنا ہے عزلت[6]
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ ـ گرو کے چرن سوں ہے دائم امن رہے
۲ ـ د ـ بہ
۳ ـ ا ـ اگر حق کوں سمجھا ہے یو حق میں حق
۴ د ب ـ غفلت
۵ ـ ج ـ کھنک ہور کاٹا ہے درون کے اندر ـ ب ـ کھنک اور کاٹا ہے دولت کی غفلت
۶ ـ ج ـ غربت ـ د ـ عزت

یو برپنچ کا سب ہے جھوٹا پسارا[1]
نہیں ہے یہ مایا ہمارا تمارا[2]
الک او نرنجن ہے سب[3] سوں نیارا
شبد سوں یو برہمانڈ سارا سنوارا[4]
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

نراب کے وو ہی بھید کوں پائیں گے رے
جسے ست گرو راہ دکھلائیں گے رے
گرو بن جو مٹے پن میں مرجائیں گے رے[5]
دغا کھائیں گے رے دغا کھائیں گے رے
ارے من شتابی ستی آسرن میں
ہے سارا سکت ست گرو کے چرن میں

---

۱ ـ ج ـ یہ پنچ بہوت کا بچہ ہے سارا پسارا
۲ ـ ج ـ نہیں ہے یہاں کوئی ہمارا تمھارا
۳ ـ ب ـ مایا سوں
۴ ـ ا ـ شبد سوں یہ منڈان سارا سنوارا
۵ ـ ب ـ جو میں توں کے جھگڑے میں مرجائیں گے رے

ارے من گگن محل کا کھاٹ چڑنا
بسر کھاٹ کو باٹ میں نہ سپڑنا[1]
ارے من سدا نفس سرکش سوں لڑنا
یہو مایا کے دھندے منے کچھ نا پڑنا

ارے من یہو دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

ارے من توں اس تن کوں کی پیار کرتا
زمین کے بچھانے سوں کی عار کرتا[2]
ارے من توں کی عشق[3] دلدار کرتا
زری کسوتان پہین سنگار کرتا

ارے من یہو دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

ارے من بڑے پن[4] پہو کی بھولتا رے
اپس کو اپی دیکھ کی بھولتا[5] رے
سُکھا رے ڈولارے میں کی جھولتا[6] رے
چپی جا کو ہودہی کی مولتا[7] رے

ارے من یہو دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

---

۱ ۔ ب ۔ بسرنا
۲ ۔ د ۔ زمین پر توں سونے سے کیوں عار کرتا
۳ ۔ ا ۔ گلزار
٤ ۔ ا ۔ یہ دنیا ہو
٥ ۔ د ۔ بھولتا رہے
٦ ۔ ا ۔ سکھ آندی ڈولوں میں کی جھولتا رہے
۷ ۔ ا ۔ چھی چڑ کو ہودے میں کی بیٹھتا رہے

ارے من توں بن دود کھاتا نہیں[1] ہے
اکیلا اندھیارے میں جاتا نہیں ہے
زمین کا تجے سیج بھاتا نہیں ہے
بجز چکسا اوپٹن نہاتا نہیں ہے

ارے من یہو دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

ارے من تیری[2] دیکھ کر نوجوانی
نکو چل عبث کر کو چھاتی اوتانی
چیرا سر اوپر باندھ کر زعفرانی
بنا کر اپس شکل دائم سوبانی[3]

ارے من یہو دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا[4]

ارے من[6] نہ ہاتی ہے تیرا نہ گھوڑا
نکو بھول چپ دیکھ کر زر کا جوڑا
ارے کل کوں ہوے گا تجہ تن میں کوڑا[5]
نکو ہو تو کوتوال قاضی کڑوڑا

ارے من تو دھن مال پر نا اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

---

۱ ۔ ارے من روکھا سوکھا کھاتا نہیں ہے ۲ ۔ ب ۔ دیکھ توں
۳ ۔ ج ۔ بنا طور اپنا تو دائم نشانی
د ۔ بنا کر اپس شکل دائم سوھانی
٤ ۔ د ۔ یو ماٹی کے تن کون ہے ماٹی میں گڑنا
٥ ۔ ب ۔ یہ کلکوت آخر کوں ہونے کا کوڑا
٦ ۔ ا ۔ کہیں ڈھونڈ پا جا زنہن کا درشن

ارے من تراب ہوے گا جب ترا تن
نہ رہ سی تیرے پاس کچھ مال ہور دھن
گلے باندھ زنار ہو رہ برھمن
او داسی بھنور ہوکے پھر توں بنے بن[1]

ارے من تو دھن مال پر نہ اکڑنا
ہے آخر تجے کل کوں ماٹی میں گڑنا

ہمن خاک آدم کلا جگ میں آئے
چھپے روپ کوں ہم نے پرکٹ دکھائے
کہیں نر کہیں خوب ناری کلائے
کہیں گرو کہیں داس کا بھیس لائے

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کوں ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

کہیں دیو ہیں اور کہیں ہم پجاری
کہیں نت اوپاسی کہیں دودھ دھاری
کہیں بادشاہ ہور کہیں ہم بھکاری
کہیں ہم سپاہی کہیں ہفت ہزاری

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کوں ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

---

۱ - ا - کہیں ڈھونڈ پا جا زنجن کا درشن

کہیں کر مریداں دیکھا ہیں پیری
کہیں اے کو بھرتے ہیں حال فقیری
کہیں مالدار ہو جتاتے امیری
کہیں بادشاہاں کی کرتے وزیری

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کون ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

ہمیں آسماں ہور چندر ستارے[1]
ہمارے نظارے بدل ہم سنوارے
الست ہور قالو بلی[1] ہم پکارے
جہاں ہم اتھے واں نہ تھا کوئی دوجارے[2]

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کوں ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

کہیں ہوکے معشوق کرتے ہیں کھٹ کھٹ
کہیں پاک عاشق کلاتے ہیں پرکٹ
کہیں ناز محبوب کتیں حلقہ لٹ
کہیں جوگی جنگم سنیاسی کہیں مٹ

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کوں ہم دیکھ ہم کوں گنوائے[3]

---

۱ - ج - زمین آسمان ہور چند ستارے
۲ - د - جہان ہم اتھے وان نہیں ہے دو جارے
۳ - ا - ہمن ہم کون ہم دیکھ خود کوں گنوائے

کہیں کرشن اوتار کہیں رام لچھمن
کہیں بھیم ارجن کہیں ہم برہمن
کہیں گل کہیں مُل کہیں سرو گلشن
کہیں حسن دلبر کہیں ہم ہیں درپن

ہمن ہم کون ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کون ہم دیکھ ہم کون گنوائے

کہیں شادمانی سوں ہیں شاد شادان
کہیں غم سوں کرتے ہیں فریاد نالاں
کہیں بسمل تیر مژگاں خوباں[1]
کہیں کافر بد کہیں ہیں مسلماں[2]

ہمن ہم کون ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کون ہم دیکھ ہم کون گنوائے

کہیں زاہد خشک کہیں خلوتی صاف
کہیں سادہ لوح ہور کہیں مرد حراف
کہیں شہر آباد کہیں دشت کوہ قاف
کہیں جوہری اور کہیں ہم ہیں صراف

ہمن ہم کون ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کون ہم دیکھ ہم کون گنوائے

---

۱ - ب - کہیں بسمل شوخی خوب رویاں
۲ - کہیں کفریت ہیں کہیں ہم مسلمان

کہیں مست مدہوش[1] سرشار ہیں ہم
کہیں من عرف دان خبردار ہیں ہم[2]
کہیں سالک راہ ہوشیار ہیں ہم
کہیں بے خبر محو[3] دیدار ہیں ہم

ہمن ہم کون ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کون ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

کہیں ہم ہیں طالب کہیں ہم ہیں مطلوب[4]
کہیں ہم ہیں سالک کہیں ہم ہیں مجذوب
کہیں ہم ہیں غالب کہیں ہم ہیں مغلوب
کہیں ہم ہیں عاشق کہیں ہم ہیں معتوب

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کو ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

کہیں دار چڑھ کر تو کہتے اناالحق
کہیں بزم خوباں میں ہیں پاک عاشق
کہیں لے کو پھرتے ہیں اطوار احمق
کہیں فیل مست و کہیں اسپ ابلق

ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کو ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

---

۱ - ب - بے ہوش
۲ - د - کہیں عشق خوباں میں ہوشیار ہیں ہم
۳ - ج - مست دیدار
۴ - ج - کہیں ہم برے ہیں کہیں ہم ہیں خوب

کہیں عشق خوباں کے پیچھے خراب ہیں
کہیں بزم مستاں کے مست شراب ہیں
کہیں پاک زاہد فضیلت مآب ہیں
کہیں سر برہنہ گدا بے حجاب ہیں
ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کو ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

اگر رام داس ہور کیسو داس ہوتے
ہمارا یو دکھ درد وو سن کو روتے[1]
تراب میں تراب ہوکے سدھ بدھ گنواتے
یہ بھولے پنے پر سکل دل گنواتے[2]
ہمن ہم کوں ہم دیکھنے جگ میں آئے
ہمن ہم کوں ہم دیکھ ہم کوں گنوائے

جسے غیر کا کچ تفہم نہیں ہے
جدائی کا اس کوں تو کچھ غم نہیں ہے
جو تر اشک غم سیتی مردم نہیں[3] ہے
اُسے درد کا پھر ترحم نہیں[4] ہے
جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

۱ ۔ د ۔ ہمارا دکھ و درد اس کو سنائے
۲ ۔ ج ۔ یہی بول میں پن سکل دل سوں دہوتے
۳ ۔ ب ۔ جسے اپ دنیا کا تو ہم نہیں ہے
۴ ۔ ج ۔ محبت میں ثابت تیرا دم نہیں ہے

کہیں زاہد خشک ہیں ہم نمازی
کہیں سر گشتہ ہیں در عشق بازی
کہیں مل کو طفلان میں کرتے ہیں بازی
کہیں ہم کلاتے اہیں شاہ غازی

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

کہیں ہوکے قاضی تو کھاتے ہیں رشوت
کہیں نام رشوت ہو کرتے ہیں لعنت
کہیں ہو کے زاہد تو کرتے عبادت
کہیں عاشقی کا اوچاتے ہیں شہرت

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

کہیں ہم نبات و کہیں ہم ہیں حیوان
کہیں ناطقے سوں کلاتے ہیں انسان
کہیں ہم بہار و کہیں فصل تاباں
کہیں ہم زمستاں کہیں ہم ہیں باراں

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

ملیا جس کے تئیں جگ منے شیخ کامل
ہوا شیخ کامل سوں اُو مل کو واصل
کیا صاف تیرا سجن جان من [1] دل
نکل جا کو مِی پن دسیا شمع محفل

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

اے میں توں کا جھگڑا سدا کا سمٹنا
نزدک صحن وحدت میں سیدا رپٹنا
ولی صاف کے بیچ رکھنا کپٹ نا
پلنگ نفس سرکش سوں دن رین لڑنا [2]

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

دیکھو قلب مومن کا گھر ہے خدا کا
جھلکتا ہے واں نور انور خدا [3] کا
وہی نور انور ہے زیور خدا کا
دسے او چہ زیور پیمبر خدا کا

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

۱ ۔ ب ۔ کیا صاف وسجل ترا جان من دل
۲ ۔ ب ۔ رپٹنا
— د ۔ جھپٹنا

اول ہور آخر دو نقطہ مقابل
ولایت نبوت کا مقصود حاصل
کہا دل آپس کا وو ہی شمع [1] محفل
وو کامل وو عاقل وو فاضل وو واصل

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

تراب میں تراب ہوکے سدھ بدھ بسارو
آپس دل کوں مرشد کے قدماں پو وارو
ہمارا تمارا نکو چپ بچارا
یہ میں توں کا جھگڑا نکو چپ [2] بچارو

جہاں یک پنا واں تو ہم تم نہیں ہے
دوی کا تو ہرگز تکلم نہیں ہے

——((.❋.))——

یو پنچ بھوت کا کیا ہے کوئی بھروسا
گھڑی میں تو تولہ گھڑی [3] میں تو ماسا
لگانا گرو کے چرن سی آسا
نہ رہ تو اوپاسا نہ رہ تو اوداسا [4]

ارے من اُوسے کیا ہے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

۱ ۔ ج ۔ کیا دل آپس کا چ جوں شمع محفل
۲ ۔ ب ۔ نکو رہے نکو من میں جھگڑے چارو
— ۔ ج ۔ سخن پو چھ تحقیق دل میں بچارو
۳ ج ۔ آپس کے گرو کا تو رکھ من میں آسا
۴ ۔ ا ۔ سدا اس دنیا سیق پھر تو اوداسا

امیراں سو بہتر فقیراں کلاتے
سمج فرش مخمل مکمبر بچھاتے
منگا کوئی کھاتے کوئی مانگ کھاتے
ہوکر خاک میں خاک شاہی جتاتے

ارے من اُوسے کیا ہے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

جو باندیا لنگوٹا لگا خاک تن کون
دیا چھوڑ اک بار حب الوطن کوں
جلا عشق کی بات میں مال و دھن کوں[1]
رکھے کاس[2] نہ پاس ہرگز کفن کوں

ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا آسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

اوڑھیں گودڑی ہور بچھاویں مکمبر
رکھے فخر دائم تو شاہاں کے اوپر
لگا کر لنگوٹا کلاتے قلندر
گدا مانگ کھاتے ہیں تکڑے گھرے گھر

ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا آسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

---

۱ - ج - جلا عشق کی باد سے مال دھن کوں
۲ - ۱ - دام

فقیری میں کیا فکر درکار ہے رے
ہمیشہ تیرا گرم بازار ہے رے
وو رزاق مطلق خریدار ہے رے
ہر اک جا ہو ہادی[1] سا اوتار ہے رے

ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

نہ کس کے بھلے بھولنے کی خوش حالی
نہ پرواہ تحسین نا درد گالی
نہ چاہیں گرم لحاف نہ نرم نہالی
نہ دل میں زرا کچ غم قحط سالی

ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

ہزاروں سوں پیوند کی گودڑی کر
رکھے نام اس کا گدا داق بستر
سمجھتے ہیں اس کوں بڑا کسوت[2] زر
نہ کس ٹھگ کا وسواس نہ چوَر کا ڈر

ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

---

۱ - ج - ہر ایک بار ہادی مددگار ہے رے
۲ - د - یہ از

گدا کاسۂ بنک جس وقت چڑھاویں
منے پرتگال نہ خاطر میں لاویں
بچھا کر مرگ[1] چھال شہنشاہ کلاویں
وو تکیہ نشین کیں نہ آویں نہ جاویں

ارے من اُسے کیا ہے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

کرم سوں گدا جس کا ہاتھ پکڑتے
بسر مفلسی تخت شاہی او چڑھتے
گدا کس سون پر ہر گز نہ لڑتے جھگڑتے
نہ دنیا کی دولت کون دیکھت اکڑتے

ارے من اُسے کیا ھے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

جو دنیا میں ثابت[2] محب علی ھے
سدا اس کے حق میں فقیری بھلی ھے
گدائی کریں ہور کلا دین ولی ھے
اُسے جگ کی رسوائی میں کاملی ھے

ارے من اُسے کیا ھے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

---

۱ ۔ ا ۔ مکیہ
۲ ۔ ج ۔ جو کوئی دل میں

دیا آج سو اوچہ پھر دیوے گا کل
نکو ہو تو چپ کل کے دھا کون سون بیکل
سمج کر سدا[1] بوریا فرش مخمل
تراب کا سخن جان ہر دم تو افضل[2]

ارے من اُسے کیا ھے دنیا کا جھانسا
لیا ہات میں بھیک کا جن نے کاسا

کہیں بلبل زار کہیں سرو گلشن
کہیں نقش پا ہور کہیں من ہرن دھن
کہیں اُو محقق کہیں اُو برہمن
کہیں لیلۃ القدر کہیں روز[3] روشن

الک او نراکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

اہے سب[4] میں او سب سوں دستا نرالا
اندھیارے میں کرتا ہمیشہ او اُجالا
ہری رام[5] صاحب جمالہ جلالہ
نا او سبز نا ذرد نا سرخ کالا

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

---

۱ ۔ ب ۔ گدا
۲ ۔ ل ۔ تراب کا سخن یہ سدا جان افضل
ــ تراب کا کہا جان ہر دم تو افضل ــ د ۔ تراب کا سدا تو بہا مان افضل
۳ ۔ ب شمع روشن
۴ ۔ ج وہی سب میں ــ د ۔ اہی سب میں ہور سب سوں دستا نرالا
۵ ۔ د ۔ نام

جدا سب سوں ہوکر او سب میں بھریا ہے
حیات ابد کا جو پیالہ[1] پیا ہے
یو پرپنچ پنچ بھوت فانی سرا ہے
یہ سب کھل اوس نے ہی جگ میں کیا[2] ہے

الک اُو نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

بندو دھیان سوں دھن اُو پرماتما کا
ہور سمرن اہے نام پرماتما[3] کا
سری رام ہے نام پرماتما کا
کرے بھاسکر دھیان پرماتما کا

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جیتو سدا جس کی سمرن

ہے پرجاپتی ہور رنجن کا داتا
داتا ابجو یونی سویم بھو کلاتا
پیمبر کا پیغام لاتا لے جاتا
اُو پرمیشور شیش شانی ہے داتا

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

---

۱ - ب - امرت چڑھا ہے
۲ - ج - یہ سب کھیل اس کا چہ سارا کھڑا ہے
۳ - ج - وہی پاسکا ہے گھر آتما کا

دیا روپ ، رس ، گند ، سبد اسپرس اُو
سونا کردے آہن کو پل میں پارس اُو
دیا ونت داتار سب سے سرس اُو
جزا ہور سزا دیوے گا سب کو رب اُو

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

شیشی ہور دیوا کر مہابل بنایا
اپی سب سوں نیارا ہو سب میں سمایا
نہ کس سوں جنا او نہ کس کا ہے جایا
وہی لم یلد ولم یولد کہہ سنایا

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

نہ او کس کا بابا نہ ہی اس کے جائے
نہیں اس کی جات جایتاں کیوں بنائے
ولے بھید یہ ست گرو بن نہ پائے
صحیح اس کوں پا است ہو تو سہائے

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

ہے اقلیم چہارم کا راجہ دیواکر
کر اقلیم اول کا سلطان [1]چندر
دیا ربع مسکوں کے تئیں زیب لشکر
اپی سب سوں نیارا ہے کس دھات [2]لشکر

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

جدای سوں کیوں عبد و رب میں سمجھنا
اُو سے ہم ہری ہر سبب میں سمجھنا
بلاد یمن ہور عرب میں سمجھنا
نہیں کس میں ہے ہور کس میں سمجھنا

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

تراب کے رہو سنگ[3] اے رام داتا
دیو چت کوں وصلت سو آرام داتا
ہو ست گرو حسینی دل آرام داتا
ہے جس دھن کا دھن مج کوں بسرام[4] داتا

الک او نرآکار نرگُن نرنجن
کرے جیو جنتو سدا جس کی سمرن

۱ ـ ا ـ چدر
۲ ـ د اپے سب سوں یارا گرو بات لشکر
۳ ـ ب ـ ساتھ
۴ ـ ب ـ سنگرام

ڈنا صحن وحدت میں اے یار گھوڑا
اے دارالفنا سیتی مہمیز [1]موڑا
ابے احدیت کی طرف دل کو جوڑا
بت کفر کوں ماریک پل میں توڑا

برم بارا زنار جس وقت توڑا
اُسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

مہا پرُس گیانی قلندر کلاویں
لیکر ہاڈ کا شنکھ مکھ میں بجاویں
بچی ہے سو دریا کے پانی میں نہاویں
سو کنیں ماس پُرباس ہرگز نہ [2]کھاویں

برم بارا زنار جس وقت توڑا
اُسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

نہ صوم صلواۃ کر کسی کو دکھاؤں
نہ جھوٹی عبادت کی شیخی جتاؤں
نہ کس دل دکھا کر میں ظالم کلاؤں
نہ کس گھر نمازی کلا کر [3]ڈباؤں

برم بارا زنار جس وقت توڑا
اُوسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

۱ ـ ا ـ اپے دار فنا سے سدا منہ کو موڑا
۲ ـ ج ـ گدی باس کا ماس ہرگز نہ کھاویں
۳ ـ ا ـ نمازی نہ بن کر میں کس گھر ڈباوں

نہ دیول کا ہرگز پجاری کلاؤں
نہ منج من کوں منے توں[1] کے جھگڑے میں بہاؤں
نہ جوگی ہوکر خاک تن کوں لگاؤں
نہ کاسی کو جاؤں نہ گنگا نہاؤں

پرم پارا زنار جس وقت توڑا
اُسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

مجے کام کیا دیو دیول ستی[2] اب
دسیا دیو دیول مرے تن منے اب[3]
رہا نہیں یکایک جدا عبد ہور رب
دیکھت مج کوں عالم تو کہتا اہے[4] سب

پرم پارا زنار جس وقت توڑا
اُسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

جلا[5] تن کوں اپنے بھیاہوں سنیاسی
وطن چھوڑ پھرتا ہوں دائم اداسی
نہ کعبہ گیا ہوں نہ گیا ہوں کاسی
نہ حاجی ہوا پین جبہ لباسی
پرم پارا زنار جس وقت توڑا
اُسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

---

۱ ۔ د ۔ مٹی بن
۲ ۔ ا ۔ تمے کام کیا دیر مسجد ستی اب
۳ ۔ ا ۔ دسیا دیو دیول تیرے تن منے سب
۴ ۔ ا ۔ ہے جب تب
۵ ۔ ا ۔ دل کو

تراب کا کوئی بھید پاتا نہیں ہے
وو میں توں کے جھگڑے میں جاتا نہیں ہے
ایس کوں تو کس سوں ملاتا نہیں ہے
بڑا پاک زاہد کلاتا نہیں ہے

پرم پارا زنار جس وقت توڑا
اُسی وقت تسبیح مصلیٰ کوں چھوڑا

نہیں کچ انہا جب اُجالا اندھیارا
ہمن تب کئے تھے او پرکاش سارا
دیکھو نرگنی محل سنگھم سنوارا
دسیا پنچ بھوتان کا سارا پسارا[1]

گگن محل میں جان سے الاحد پکارا
وہاں شنکھ کہتا ہے کاں ہے تمارا

یہاں بردباری تو سارے جتاتے
کوئی جیین مت کوئی بدھ مت کلاتے[2]
بدھامت کلا کوئی بیری جگاتے[3]
پڑھیں وید ہور بھید کچھ نہیں بتاتے
گگن محل میں جان سے الاحد پکارا
وہاں شنکھ کہتا ہے کاں ہے تمارا

---

۱ ۔ ج ۔ دسا اس میں پنچ بھوت کا سب پسارا
۲ ۔ د ۔ جمع مال دھن کرکے تاہر کلاتے
۳ ۔ د ۔ بنا مشغلہ کوئی بیری جتاتے

لگا کر اڑا تیڑا سینڈور دو دھاری
کلاتے ہیں کیتے برہمن اچاری
لیکر بھیڑ میں ہیں نکالتے سواری
بھکاری ہوکر چپ بجاتے دوتاری

گگن محل میں جان سے الاحد پکارا
وہاں شنکھ کہتا ہے کاں ہے تمارا[1]

بسر لنگ اپنا پھریں باندھ دھوتر
اے کیسے نکالے ہو جھوٹے دوا کشر
بتاؤ مجھے کوئی اے بھید آکر
پھروں باندھ دھوتر بجا شنکھ گھر گھر

گگن محل میں جان سے الاحد پکارا
وہاں شنکھ کہتا ہے کاں ہے[2] تمارا

ارے او برہمن میرے پاس آؤ
تماری تو بوتی کی جھڑتی بتاؤ
اپس کی تو بنکٹ میں مج کوں[3] ملاؤ
بھی او بات کیا ہے سو جلدی[4] بتاؤ

گگن محل میں جان سے الاحد پکارا
وہاں شنکھ کہتا ہے کاں ہے تمارا

---

۱ ۔ یہ بند صرف جامع مسجد بمبئی کے مخطوطہ میں تحریر کیا ہوا ملتا ہے
۲ ۔ یہ بند صرف مخطوطہ و میں ہے
۳ ۔ ا ۔ تماری حقیقت تو ساری سناو
٤ ۔ ا ۔ تم ہی تو میری بات کو ڈھونڈ پاو

تراب نے نہیں جھوٹ یہ بات بوجھا
مہادیو ہور رام میں نہیں ہے دوجا
اپس کا اپی آپ کرتا ہے پوجا
پوچھو رام داس ہور کیسوداس سوں جا

گگن محل میں جان سے الاحد پکارا
وہاں شنکھ کہتا ہے کاں ہے تمہارا

سوال طالب

یہی فکر رہتی ہے ہر روز ہر شب
مرے دل کے درمیان از بس کہ اغلب
گیا ہوش ہور گوش اپنا بسر سب
مرے سوں کہو سانحہ اے تراب اب

گرو جی کہو رام جی کاں اتھے تب
نہ تھا کچھ یو منڈان ہر پنچ کا جب[1]

نہ آکاش نا تیج نہ برتھوی جل
نہ تھا سور چندر برہس پت نہ منگل
نہ شکر ششی بدھ نہ وایو نہ بادل
نا پاتال نوکھنڈ نا ڈونگرا جل

گرو جی کہو رام جی کاں اتھے تب
نہ تھا کچھ یو منڈان پر پنچ کا جب[1]

---

۲ ۔ یہ بند صرف مخطوطہ ھ میں ہے

نہ وشنو مہیش ہور نہ برہما نا اندر
نہ بھیس لوگ سب یوگ سورگ و پیتمبر
نہ آکار نہ اوکار نا ارد ماتر
نہ برہما نا اندر نا مہیشو سروتر

گرو جی کہو رام جی کاں اتھے تب
نہ تھا کچھ یو منڈان بر بنچ کا جب

نہ کند تھا نا رس تھا نہ تھا اسپرس سبد
نہ تھا روپ رس ہور نہ جہد نا عبد
نہ چھایا نہ مایا نہ تھا نیک نا بد
نہ تھا جن نا انس نہ دیو نہ دد

گرو جی کہو رام جی کاں اتھے جب
نہ تھا کچھ یو منڈان پر بنچ کا جب

نیستی نا جاگرت نہ تو سپن تھا
نہ سنکلپ نہ کلپ و نا اسپھرن تھا
جنم کا چکر تھا نہ آواگوان تھا
نا ششٹی ذرا تھا نہ کوئی مرن تھا

گرو جی کہو رام جی کاں اتھے جب
نہ تھا کچھ یو منڈان پر بنچ کا جب

جواب

اگرچہ تفکر میں توں ہے گرفتار
یو سن داس سیوک مرے سون تو گفتار
اشارے میں کہتا ہوں تجکون سخن چار
اوسی میں سمج لے مفصل کون تکرار

اتھے رام جی تو نرآکار نردھار
ہوا کن سون سن اے بچہ سارا بستار

یون منڈان دستا سو پیدا نہ تھا جب
زمین آسمان کچ ہویدا نہ تھا جب
بھی کوئی حسن دلبر کا شیدا نہ تھا جب
نہ تھا ارد ہور کوئی پیدا نہ تھا جب

اتھے رام جی تو نرآکار نردھار
ہوا کن سون سن اے بچہ سارا بستارا

سوال طالب

گرو جی او شیونیہ کیوں اتھا سو بتاؤ
نرآکار نردھار نرگن بتاؤ
بجھے نیر امرت جھڑی کا پلاؤ
لیجا آسمان کے تونند کاندھے چڑاؤ

مولا دھار کی راہ سیدھی لے جاؤ
سودیش تھان کے دیوتا سون ملاؤ

جواب

او من یوں تھا جیوں کہ نقطہ قلم میں
بنا بات سوں جو تھا رے عدم میں
ششی ہور دیوا کر اچھین جیو کے کھم میں
ہمن شیونیہ میں تھے ہور شیونیہ تھا ہم میں
یو پرکاش سارا کیا سو کچھم میں
تیرا پنڈ جون بن گیا ایک دم میں

سوال طالب

گروجی اُو سو کچھم کا کچھ بھید پاؤں
تمارے چرن کے تو بلہار جاؤں
میں استوُت تمارا تو کان لگ سراؤں
دیاونت داتا تمارا ہے ناوں
میرے پنڈ کا سب بتا دیو ٹھاوں
میں تو داس ستگرو کا سانچا کلاؤں

جواب

جو لکھنے میں نقطہ نکل بھار آیا
اوہی سو کچھم ارد ماتر کلایا
توں تھا پنڈ میں یوں کہ ماتا کا جایا
وہاں شونیہ یاں سو کچھم نام پایا
ہوا جمع پنچ بھوت کا سارا پسارا
الٰہکار کا بانک جو بھید بھایا

تجاور[1] میں جس روز ہوا آکو داخل
منیا رام داس کی تو ہوتی ہے کامل[2]
گیا سن خوشی ستی دل کا کنول کھل
جواب اس کا کہنا ہوا شوق کامل[3]
ستوبا مہاراج گنونت عاقل[4]
تیرے بید کا بھید پانی کرے دل

گرو[5] اُو تو پرتاب سنگھ کے کلانے
سدا بامناں کو رسوئی کھلانے
وو داتا تونت دان سب کوں دلاتے
نہیں من کوں مایا کے جھانسے میں بھاتے
ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید پانی کرے دل

میں سمجھا ہوں اُون کوں سچے رام اوتار
کہ سب میں اچھے ہور سب سوں نگہدار
اہیں اُو تجاور کے درمیان داتار
پران ہور پستک میں ہیں بہت ہوشیار
ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید پانی کرے دل

---

١ ۔ یہ بند صرف مخطوطہ ج ، و اور ہ میں تحریر کیا ہوا ملتا ہے
٢ ۔ ج ۔ فاضل
٣ ۔ جواب اس کا کہنا ہوں با شوق کامل
٤ ۔ ج ۔ چاتر
٥ ۔ یہ بند صرف جامع مسجد بمبئی کے مخطوطے ہی میں موجود ہے ۔

ستوبا کا سن نام اس دیس آیا
ولے اب تلک درس اون کا نہ پایا
جواب رام داس کے بچن کا نہ پایا
بھی کوئی ہور بوجھے گا نہ اس کا مایا

ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید بانی کرے دل

کہاں رام داس ہور کیسو داس پاؤں
میرا درد و غم سب بیٹھا کر سناؤں
لیجا کر میرے اس بچن کو دکھاؤں
اگر نئیں تو بھیما سوامی پاس جاؤں

ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید بانی کرے دل

آپس دل سوں مرنے کا جھگڑا بسارو
میرا حال سن کر سکل آہ مارو
اہیں رام داس ہور کیسو داس یارو
یہی جا کے سارے تو بارے پکارو

ستوبا مہاراج گنونت عاقل
تیرے بید کا بھید بانی کرے دل

سمج کر ہندو راج آیا تجاور
سکل جگ کے درمیان دھرم راج سن کر
ولیکن مجھے کوئی بولایا نہیں گھر
سمج[1] کر کبیرا سا گیانی قلندر

ستوبا مہاراج گنونت عاقل
ترے بید کا بھید بانی کرے دل

بسر گرو دھن مال اوپر مست ماتے
بنا مشغلہ کوئی بیری جتاتے[2]
ذرا بھید اوس کا تو کچ نئیں بتاتے
سب ہی دیکھ کہتے نہیں بھید پاتے

ستوبا مہاراج گنونت عاقل
ترے بید کا بھید بانی کرے دل

سکل[3] ملک کے بیچ مرا ہے پھیرا
برت کا اہے درد مج میں گھنیرا
بچن سن کے دیویں گے جب داد میرا
دیکھو تب کلاؤں گا میں ان کا چیلا

ستوبا مہاراج گنونت عاقل
ترے بید کا بھید بانی کرے دل

---

۱ ۔ م ۔ سمج کر کہ اکثر کہ اوتیں قلندر
۲ ۔ م جگاتے
۳ ۔ یہ بند صرف مخطوطہ و میں ہے

میا[1] ہور دیا اب کرو اپنا بارے
لے کر رام نام آ نگر میں تمارے
چتر ہوکے کیوں حال مرا بسارے
چلا ہول یوں کاوری کے کنارے
ستوبا مہاراج گنونت عاقل
ترے بید کا بھید بانی کرے دل

تراب اس شہر سیتی جلدی نکل توں
بہت دن رہیا اب اتا اٹھ کے چل توں
اول سدھ گنوا پھر نکو ہاتھ مل توں
ہوا اس زمانے منے بے بدل توں
ستوبا مہاراج گنونت عاقل
ترے بید کا بھید بانی کرے دل

کیا ختم اب من کی پوتی کوں ساری
تراب عاشقی پا کے عاجز بھکاری
حسینی برہمن رہے نام داری
کہا ہے یہ رنگیں سخن یادگاری
ستوبا مہاراج گنونت عاقل
ترے بید کا بھید بانی کرے دل

---

۱ ۔ یہ بند بھی صرف مخطوطہ د پی میں موجود ہے ۔

فرہنگ

پوتی - کتاب
بھی - اور
راکھا - رکھا
سوں - سے
وو - وہ
الک - بھگوان کی یہ ایک صفت کہ وہ دکھائی نہیں دیتا -
نرنجن - بھگوان کا ایک نام - اس کے معنی طاہر کے ہیں -
نرآکار - جس کی کوئی خاص شکل و صورت نہ ہو -
نرگُن - جو مادی صفات یا گن سے مبرا ہو -
پرمیسری - پرمیشور یا بھگوان
ستی - سے
بھار - باہر

بھایا - لایا
کنیا - کرشن
پرکاش - روشنی - اُجالا - نور -
سار - ہمیشہ رہنے والا - غیر فانی
منھدر - مندر
کرشن بھوگ - کرشن سے محبت کرنے والا -
ابھوگی - بھوگی کی ضد
اجوگی - جو جوگی نہ ہو -
ہمن - ہم
دیک - دیکھ
کوں - کو
کیں - کہیں
ہور - اور
گھٹ - دنیا سے مراد ہے -
پرگھٹ - آخرت

سنگات - ساتھ
کرود - غصہ
کام - محبت
لوپ - حرص
مایا - دنیا جو دھوکا اور سراب ہے
سورات - طمع
سونچ - سے ہی
انھی - تھی
دسی - دکھائی دی
بسر - بھول
کاسوچی زوپ - کچھوے کی نیند بے حسی - اور غفلت
(یہ مرہٹی ترکیب ہے - مرہٹی میں کچھوے کو کاسو کہتے ہیں اور چی کا مطلب کی ہوتا ہے زوپ کے معنی نیند کے ہوتے ہیں -
یو - یہ
پرپنچ - دنیا - سنسار - بکھیڑا
منے - میں
درس - درشن - جلوہ
جس کنے - جس کے پاس

شیونیہ - عدم - خلاء - کسی چیز کی عدم موجودگی اس کو سُنیہ بھی کہتے ہیں -
منڈان - ظاہر ہونا - ظہور میں آنا روپ دکھانا -
کُن - کُن فیکون
برہمانڈ - برہمانڈ کے لفظی معنی برہما کا انڈا یعنی برہما کی تخلیق کے ہیں - اس سے مراد کائنات ہے جو برہما نے بنائی ہے -
پات - پاتھ
اودھر - اُدھر
ایدھر - ادھر
اہے - ہے
سٹو - چھوڑو
گگن - آسمان
اہیں - ہیں
گوبند بھوگی - بھگوان کے پریمی
چھی - عبث
لگ - تک

کلاویں - کھلاویں
کتے - کہتے
انا - ذرا
اپس - اپنی
بولانے - بلانے
اچپل - شوخ
ہمن ہیچ - ہم ہی کو
ویتاگ - مصیبت - تکلیف
سریجن - محبوب
کیو - کیوں
سہاتے - زیب دیتے
کچ - کچھ
رہن ہار - رہنے والا
بورے - بُرے
اوچاتے - اٹھاتے - بناتے
ساتی - ساتھی
پسارا - سامان
نگر - شہر
دوجا - دوسرا
ٹھار - جگہ

سوجا - سوجھا
اپی - خود ہی
بوجا - بوجھا
ٹھارتا - ٹھرتا
اوداس - اُداسی بمعنی غمزدگی
بھنور - بھنورا
بجے - مجھے
موئے پر - مرنے کے بعد
ککر - کہہ کر
جیو - جی
ماٹی - مٹی
سکل - سب - سارا - تمام
جال - دھوکا
بھانت - طرح - قسم
گھالنا - ڈالنا
گنونت اچھی صفات رکھنے والا
چاتر - عقل مند
ترجانا - نجات پانا
دود - دودھ
جن نے - جس نے

روپا - روپیہ - چاندی
دیکھت - دیکھ کر
بہن - بہن
زرتار - زرین
پتیانہ - اعتماد کرنا
جترب - حرص
اکیلاچہ - اکیلا ہی
سگے سودھرے - عزیز و اقارب
مل کو - مل کر
بچھانا - بچھونا
پنچ بھوت - پانچ عناصر یا عناصر
خمسہ یعنی ہوا - پانی
آگ - مٹی - اور روشنی
اوتانا - دیوانہ - نادیدہ
گھابرا - پریشان
نپٹ - خالص - صرف - بالکل
سمدور - سمندر
جوت - روشنی - نور - جلوہ
اس کاچ - اُس کا ہی

رخن - رخ سے رخن بنالیا ہے
بمعنی چہرہ
نین - آنکھ
سرن - شرن بمعنی پناہ -
سکت - زور - طاقت
ست گرو - سچا گرو - رہبر کامل
چرن - قدم
بھانا - ڈالتا
نکو - نہیں
مٹ - گھر - مکان
اوداسا - اُداس ہوکر
آسا - آشا - آرزو
آکاسا - آکاش - آسمان
کاسا - کاسہ - کٹورہ
مہاپرش - عظیم انسان
داسا - داس غلام - شاگرد
ترکٹی - پہاڑ
سورگ - جنت
اپروپ - نایاب - نادر
رام مارگ - رام کا راستہ

مولادہار چکر - یوگی مانتے ہیں کہ انسانی جسم میں آٹھ مختلف چکر ہیں - مولادہار چکر پہلا چکر ہے جس کا مقام نشتگاہ بتایا جاتا ہے ان آٹھ چکروں کو پران کنڈلی بھی کہتے ہیں - کیونکہ ایک ایک چکر میں ایک ایک پران ہوتی ہے -

اپان - ایک پران کا نام ہے - یوگی کا یہ تصور ہوتا ہے کہ انسانی جسم میں مختلف مقامات پر پانچ پران ہیں -

سمان - سمان بھی ایک پران کا نام ہے - ان پانچ پرانوں کے نام یہ ہیں (۱) وپان (۲) سمان (۳) اودان (۴) ویان پران -

ہردے چکر - اُس چکر سے مراد ہے جو ہردے یا دل کے قریب واقع ہوتا ہے -

پران - پران بھی پنچ پرانوں کی ایک پران کا نام ہے -

ویان - ویان بھی جیسا کہ بتایا جاچکا ہے ایک پران کا نام ہے -

کنٹھ - حلق -

سوداش الھان - سوداش الھان چکر انسانی جسم کا دوسرا چکر ہے جو مولادھار چکر کے بعد آتا ہے -

رجوگُن - رجس روحانی خواہشات کو کہتے ہیں اور اس کو پرش آرتھم کہتے ہیں -

برہما - سوداش الھان چکر سے منسوب ہیں اسی طرح شاستروں کے فلسفے میں ایک ایک چکر ایک ایک دیوتا سے منسوب ہوتا ہے -

ستوگن - ستوگن یا ساتوک اعلیٰ ترین روحانی خواہشات کا نام ہے اسے وید اتم بھی کہتے ہیں -

تموگن - جسمانی خواہشات سے مراد ہے -

چھکار - چمک -

جیوجتو - جاندار مخلوقات -

دلو - آسمان کا گیارھواں برج -

جدی - ایک برج کا نام -

کیوان - ایک بہت اونچے ستارے کا نام - ساتواں آسمان -

برجیس - اس کو مشتری بھی کہتے ہیں - یہ چھٹے آسمان میں ہوتا ہے -

قوس - آسمان کے نویں برج کا نام

حوت - بارہواں برج -

حمل - پہلا برج -

عقرب - آٹھواں برج -

بہرام - پانچویں آسمان پر ایک ستارہ

ثور - دوسرا برج جو بشکل نرگاؤ قرار دیا گیا ہے -

میزان - ایک برج کا نام -

زہرا - ایک ستارہ جو تیسرے آسمان پر ہوتا ہے -

عطارد - دوسرے آسمان کا ایک ستارہ جسے منشی فلک بھی کہتے ہیں -

سنبلہ - آسمان کا چھٹا برج -

جوزا - تیسرا برج آسمانی جو دو ننگے پشت سے جڑواں لوگوں کی شکل کا قرار دیا گیا ہے -

اسد - آسمان کا ایک برج جسکی شکل شیر کے مشابہ ہوتی ہے -

سرطان - چوتھا برج -

چند - چاند -

اے - یہ -

سنگھاسن - تخت شاہی -

ہری من اوباسی - ہری یعنی بھگوان کے دھیان میں رکھنے والا -

تسبی - تسبیح

منکیاں - منکے

خُد - خود

دودھ دھاری - صرف دودھ پر
زندگی بسر کرنے
والا جو گوشت
وغیرہ نہ کھائے

اپواسی - برت رکھنے والا -

بن - بغیر

مارگ - راستہ

کھٹ پٹ - جھگڑا

ہر - ہری

اردمانتر - لاہوت

آکار - ناسوت

مکھ - منہ

لگن - محبت - لگاؤ

بچن - بات - قول

سابق - سلامتی

کلکوت - حرص

نیارا - انوکھا

شبد - لفظ - یہاں کن فیکون سے
مراد ھے

سپڑنا - پھنس جانا

کسوتان - کپڑے

بین - پہن کر

بڑے پن - عظمت

سکھارے - سکھ دینے والے

ڈولارے - جھولا

ہتی - ہاتھی

مولتا - خریدتا

اندھیارے - اندھیرے

ہاتی - ہاتھی

کوڑا - کوڑ

کتوال کوتوال

کڑوڑا - کڑوڑوں روپیہ رکھنے والا

رہ سی - رہے گا

پرکٹ - ظاہر

نر - مرد

ناری - عورت

نت - ہمیشہ

یک پنا - ایک ہونا - دوئی باقی نہ
رہے -

ملیا - ملا

جگ - دنیا

سجن - محبوب

سمٹنا - اٹھالینا

نزد - نزدیک

رپٹنا - دوڑنا

کپٹ - بغض

بچارو - سوچو

جھانسا - دھوکا

باٹ - راستہ

کاس - کوڑی

ہو - ہر

ہزاران - ہزاروں

مرگ چھال - ہرن کی چھال جو اکثر
سنیاسی استعمال کرتے
ہیں -

کاملی - کامل ہونا

دھاکون - اندیشوں

دھن - عورت

سمرن - تسبیح

اوجالا - اُجلا

پرماتما - بھگوان

بھاسکر - مشہور سنیاسی گذرے ہیں

پرجاپتی - برہما

رنجن - رنجن کو نارد بھی کہتے ہیں
یہ برہما کی تخلیق سمجھی
جاتی ہے اور کہا جاتا ہے
کہ یہ برہما کا پیامبر ہے -

ابجویونی - ابج کے معنی کنول کے
ہیں - برہما کنول سے
پیدا ہوئے تھے -

سویم بھو - جو خود بخود پیدا ہوگیا
سلف بارن

شیش شائی - شیش ناگ کو کہتے ہیں
اور شائی کے معنی سونے
اور آرام کرنے کے ہیں
شیش شائی مطلب ناگ
پر سونے والے کے ہیں
وشنو کی یہ خصوصیت
تھی کہ وہ سانپ پر
سوتے تھے -

رس - ذائقہ

کند - شامہ

سبد - سامعه
اسپرس - لامسه
برس - پارس
دیاونت - مهربان
سرس - بڑا - عظیم
مهابل - طاقتور - بھگوان
جایا - بیٹا
جات - ذات
است - جو ست یا سچ نه هو -
ربع مسکون - دنیا کے چاروں کونے
چت - دل
پرم پارا - پرم پرا - روایات
گیانی - عالم
ہاڈ - ہڈی
شنکھ - ایک قسم کی بین جو دریائی جانور کی ہڈی سے بنائی جاتی ہے - اس جانور کو (Conch) کہتے ہیں - شنکھ اکثر فقیر اور سنیاسی بجاتے ہیں
مچھی - مچھلی

ماس - گوشت
پرباس - بو سے بھری ہوئی - بدبودار
بھیا - ہوا
کاسی - کاشی
کان - کہاں
اچاریه - گیانی - ودوان
دوتاری - دوتار والا باجا جیسے که ستار ہوتا هے
بنکٹ - جماعت - گروه
تج - روشنی
پرتھوی - زمین
جل - پانی
سور - سورج
برہس پت - دیوتا کا نام جس سے ہفتے کا ایک خاص دن منسوب کیا جاتا هے -
منگل - تیسرا گره
شکر - ایک ستارے کا نام
ششی - چاند
وایو - ہوا

پاتال - زمین کا نچلا حصه تحت الثری
نوکھنڈ - خشکی کا حصه
ڈونگرا - پہاڑ
یوگ - عهد زمانه
پیتمبر - پیلے کپڑے پہنے والے کرشن جی
دد - شیطان
سپتھ - نیستی - عدم
جاگرت شعور
سپن - سپنا - خواب
سنکلپ - تصورات
مکپ - جنم
آواگون - تناسخ
ششٹی - بقا
مرن - فنا
سیوک - خادم
نردھار - جس کے رہنے کی کوئی جگه نه ہو یعنی جو ہر جگه موجود ہو
نیر - پانی

دیواکر - سورج
اچھین - رہین
پنڈ - جسم
بلہار - قربان
استُوت - تعریف - خوبیاں - صفات
ناؤن - نام
ٹھاؤن - جگه
سانچا - سچا
ماتا - ماں
اہنکار - انانیت
ہانک - پکار - نعره
بستار - وسعت
ہنکار - ہکار - آواز
پرماتما - (جو جیو آتما یعنی انسان کا خالق هے)
تجاور - تنجور - جنوبی ہند کا ایک مشہور مقام
باہمنان - برہمن کی جمع
رسوئی - کھانا

پاتال ـ زمین کا نچلا حصہ تحت الثریٰ

نوکھنڈ ـ خشکی کا حصہ

ڈونگرا ـ پہاڑ

یوگ ـ عہد زمانہ

پیتمبر ـ پیلے کپڑے پہنے والے کرشن جی

دد ـ شیطان

سپتھ ـ نیستی ـ عدم

جاگرت شعور

سپن ـ سپنا ـ خواب

سنکلپ ـ تصورات

مکپ ـ جنم

آواگوان ـ تناسخ

ششٹی ـ بقا

مرن ـ فنا

سیوک ـ خادم

نردھار ـ جس کے رہنے کی کوئی جگہ نہ ہو یعنی جو ہر جگہ موجود ہو

نیر ـ پانی

دیواکر ـ سورج

اچھین ـ رہین

پنڈ ـ جسم

بلہار ـ قربان

استُوت ـ تعریف ـ خوبیاں ـ صفات

ناؤں ـ نام

ٹھاؤں ـ جگہ

سانچا ـ سچا

ماتا ـ ماں

اہنکار ـ انانیت

ہانک ـ پکار ـ نعرہ

بستار ـ وسعت

ہنکار ـ پکار ـ آواز

پرماتما ـ (جو جیو آتما یعنی انسان کا خالق ہے)

تجاور ـ تنجور ـ جنوبی ہند کا ایک مشہور مقام

بامنان ـ برہمن کی جمع

رسوئی ـ کھانا

دان ـ خیرات

گنونت ـ اچھے گن والا

بید ـ وید

پستک ـ کتاب

بھوت ـ بہت

پرت ـ پریت ـ محبت

گھنیرا ـ گہرا

میا ـ محبت ـ خلوص

دیا ـ مہربانی

چتُر ـ ہوشیار

رہیا ـ رہا

نکو ـ مت